اخلاقی و نفسیاتی

مشکلات کا حل

مصنف

حجۃ الاسلام والمسلمین سید مجتبیٰ موسوی لاری

مترجم

حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ روشن علی نجفی

..C No... Status ...697 حلد مجات
Section ...
D.D. Class ...
NAJAFI BOOK LIBRARY

اخلاقی ونفسیاتی

مشکلات کا حل

مصنف

حجۃ الاسلام والمسلمین سید مجتبیٰ موسوی لاری

مترجم

حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ روشن علی نجفی

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by ... Welfare Trust (R)
Shop No. 11, ... Heights,
Mirza Kaleej Baig Road,
... i-7 00, Pakistan

بسم الله الرحمن الرحیم

نام کتاب	اخلاقی و نفسیاتی مشکلات کا حل
مصنّف	حجۃ الاسلام والمسلمین سید مجتبیٰ موسوی لاری
مترجم	حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ روشن علی نجفی
کتابت	ناصر مہدی
ناشر	مرکز نشر معارف اسلامی در جہان
تعداد	۳۰۰۰ (۳ ہزار)
تاریخ	ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ
مطبع	الہادی پریس قم
طبع	بار اوّل

مرکز نشر معارف اسلامی در جہان - انتظام روڈ مکان نمبر ۲۱ قم ایران

ACC No. 4873 Date 23/6/97
Sec ion ..... F Status .....
D.D. Class .....
NAJAFI BOOK LIBRARY

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	**بد خلقی**	۱
	(۱) دوستی اور محبت کی قیمت	۲
	(۲) بد خلقی سے ذہنی انتشار پیدا ہوتا ہے	۵
	(۳) رسولؐ اکرم دستور بتاتے ہیں	۹
۲	**حسنِ ظن**	۱۴
	(۱) اطمینان وسکون قلب	۱۵
	(۲) حسن ظن کے نتائج وثمرات	۱۸
	(۳) اسلام حسن ظن کی تاکید کرتا ہے	۲۱
۳	**بدگمانی**	۲۷
	(۱) زندگی کے روشن وتاریک پہلو	۲۸
	(۲) بدگمانی کے نقصانات	۳۱
	(۳) بدگمانی سے اسلام کا مقابلہ	۳۴
۴	**جھوٹ**	۴۰
	(۱) اخلاق کی قدر وقیمت	۴۱
	(۲) جھوٹ کے نقصانات	۴۴
	(۳) دین کی نظر میں جھوٹ	۴۷
۵	**نفاق**	۵۱

Cultural Affairs Of
Astan Quds Razavi
International Relations
P.O.Box: 91375-3131
Mashhad, I.R.IRAN

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	(۱) اپنی شخصیت کی تکمیل	۵۲
	(۲) نفاق یا خبیث ترین اخلاقی صفت	۵۵
	(۳) خانہ نفاق کو آگ لگادو	۵۸
۶	**غیبت**	۶۴
	(۱) گناہوں سے آلودہ معاشرہ	۶۵
	(۲) غیبت کے نقصانات	۶۷
	(۳) اس روحانی بیماری کے اسباب اور اس کا علاج	۶۸
	(۴) دین کی فاسد اخلاق سے جنگ	۷۱
۷	**تجسس و عیب جوئی**	۷۵
	(۱) اپنے سے بے خبری	۷۶
	(۲) عیب جو گروہ	۷۹
	(۳) مذہبی تعلیم کی تحقیق	۸۲
	(۴) خود شناسی کے اصول	۸۵
۸	**حسد**	۸۷
	(۱) غلط رجحان	۸۸
	(۲) حاسد ناکامی کی آگ میں جلتا ہے	۹۰
	(۳) حسد کے بارے میں دین کا تبصرہ	۹۲
۹	**تکبر**	۹۸
	(۱) افق زندگی میں فروغ محبت	۹۹
	(۲) تکبر باعث نفرت ہے	۱۰۲
	(۳) بزرگانِ دین درس تواضع دیتے ہیں	۱۰۵
۱۰	**ظلم و ستم**	۱۱۱
	(۱) معاشرہ میں عدالت کی ضرورت	۱۱۲
	(۲) ظلم کے بھڑکتے شعلے	۱۱۴
	(۳) دین کا ظلم سے مقابلہ	۱۱۶
۱۱	**دشمنی و عداوت**	۱۲۱
	(۱) برائیوں سے چشم پوشی کیوں نہ کریں	۱۲۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	(۲) دشمنی کے نقصانات	۱۲۵
	(۳) امام زین العابدینؑ کا دشمنوں سے برتاؤ	۱۲۸
۱۲	غصہ	۱۲۴
	(۱) غصہ روک لینے کے فوائد	۱۲۵
	(۲) غصہ کے نقصانات	۱۲۷
	(۳) رہبروں کی ہدایات	۱۴۰
۱۳	پیمان شکنی	۱۴۵
	(۱) مختلف ذمہ داریاں	۱۴۶
	(۲) عہد و پیمان کی اہمیت اور عہد شکنی کے نقصانات	۱۴۸
	(۳) اسلام کی طرف سے پیمان شکنی کی مخالفت۔	۱۵۲
۱۴	خیانت	۱۵۶
	(۱) عام فرائض و باہمی اعتماد	۱۵۷
	(۲) خیانت اور اس کے خطرات	۱۵۹
	(۳) اسلام کی نظر میں خیانت	۱۶۱
۱۵	بخل	۱۶۶
	(۱) تعاون و ہمکاری	۱۶۷
	(۲) بخل جذبات کو پیس دیتا ہے	۱۶۸
	(۳) ائمہ معصومینؑ کے اقوال	۱۷۲
۱۶	حرص (لالچ)	۱۷۷
	(۱) ضروریات زندگی کی تحقیق	۱۷۸
	(۲) عالم کون و مکاں کی نعمتیں بھی حریص کو سیر نہیں کر سکتیں	۱۸۰
	(۳) اسلام تعادل کا قائل ہے	۱۸۵
۱۷	مجادلہ	۱۸۹
	(۱) انتہائی خود پسندی	۱۹۰
	(۲) جدل سے کیا فائدہ؟	۱۹۱
	(۳) رہبرانِ دین کے ارشادات	۱۹۴

گفتارِ مترجم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مُذَمِّمِ النِّفَاقِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ اَلَّذِیْ بُعِثَ لِیُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ وَالسَّلَامُ عَلٰی آلِہِ الَّذِیْنَ حَارَبُوا الْاِفْتِرَاقَ وَالشِّقَاقَ......

اَمَّا بَعْدُ :-

دنیا کا کون ایسا محقق ہے جو حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے سید مجتبیٰ موسوی لاری دام ظلہٗ کی تحریروں سے متاثر نہ ہو یا کم از کم ان کا چرچا نہ سنا ہو۔ موصوف کی جتنی بھی تالیفات و تصنیفات ہیں متعدد مرتبہ طبع ہو کر بازاروں میں آتی ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کا ایک نسخہ بھی تلاشِ بسیار کے بعد نہیں ملتا۔

لیکن ابھی تک عام نظریہ تھا کہ آقائے لاری صرف مذہبی مسائل پر لکھتے ہیں۔ دیگر موضوعات پر یا لکھ نہیں سکتے یا پھر لکھنا نہیں چاہتے۔ لیکن اس کتاب "اخلاقی و نفسیاتی مشکلات کا حل" نے اس خیال کو باطل کر دیا۔

علم اخلاق پر یوں تو بہت سی کتابیں تحریر کی گئیں ہیں مثلاً علامہ نصیر الدین طوسی کی کتاب "اخلاق ناصری" علامہ ابن مسکویہ کی کتاب "الطہارۃ" وغیرہ وغیرہ۔

لیکن ان کتابوں کا مقصد اخلاقیات کی قسموں کو بیان کرنا، عدالت، عفت، شجاعت کیا ہیں۔ ان میں افراط و تفریط سے جو صفات پیدا ہوتے ہیں۔ بیان کرنا تھا لیکن علامہ لاری کی یہ کتاب ان چیزوں کا حل بتاتی ہے اور اس میں رسول خدا ائمہ معصومینؑ اور مغربی مفکرین کے اقوال کو پیش کر کے ان اخلاقی برائیوں سے بچنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے۔

کتاب کو مختلف چھوٹے چھوٹے عناوین پر تقسیم کر کے مزید دلچسپ بنا دیا ہے۔ اس موضوع پر کیا دیگر موضوعات پر بھی قدیم علماء کی جو تالیفات ہیں پڑھتے پڑھتے آدمی تھک جاتا ہے۔ شاخ میں شاخ نکلتی جاتی ہے بات ختم ہی نہیں ہو پاتی۔ لیکن یہ کتاب ایسی ہے کہ ایک موضوع کو پڑھ لیجئے بات ختم ہو گئی۔

اسی طرح اس کتاب نے یہ بھی بتا دیا کہ لاری صاحب دیگر خشک موضوعات کو بھی اپنے زورِ بیان سے اتنا دلچسپ بنا دیتے ہیں کہ تلخ بات کو بھی آدمی بغیر کسی ناگواری کے ہضم کر جاتا ہے۔

کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے پڑھئے اور فیصلہ کیجئے!

روشن علی مقیم قم (ایران)

تقدیم

میں اپنی اس ناچیز زحمت کا ثواب اپنی والدہ مرحومہ کو ہدیہ کرتا ہوں جو ایک ہفتہ قبل اس دارِ فانی سے دارِ باقی کی طرف رخت سفر باندھ گئیں

روشن علی

NAJAFI BOOK LIBRARY
MASOOMEEN WELFARE TRUST (R)

پیشگفتار

اس دنیا میں ہر شخص "سعادت" اور اپنی آسائش کا خواہش مند ہے اور اپنے حصولِ مقصد کے لئے شب و روز کوشاں ہے۔ اور اس میدان میں "جو بلاشبہ میدانِ جنگ نہیں ہے" اپنی جستجو میں لگا ہی رہتا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ اس امید میں وہ اپنی جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ اور چاہتا ہے کسی طرح ہمالۂ سعادت کسی دن اس پر اپنا سایہ ڈال دے اور وہ اپنی اس مختصر سی زندگی کو راحت و آرام سے گزار دے۔

لیکن بہت سے افراد جو ایک پسندیدہ زندگی کے تمام امکانات رکھتے ہیں وہ بھی اضطراب و پریشانی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور واقعی سعادت سے محروم رہتے ہیں۔ اور رنج و غم کی آندھیوں کے درمیان اپنی شکستہ روح کے ساتھ افسردہ و مضمحل آغوشِ موت میں سو جاتے ہیں

اور اس ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ حقیقت پر اوہام کو مقدم کرتے ہیں۔ اور زندگی کی تاریک راہوں میں عقل و خرد کے روشن چراغ سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ لوگوں کے آسمانِ فکر و خیال پر جو رنگ برنگ پردے ہوتے ہیں اور جو تجلّیاں ہوتی ہیں ان کے تلاطم خیز طوفان میں گھر کر پست و نامحدود افکار کے شکار ہو جاتے ہیں۔

انسان "جو بازارِ ہستی کا سب سے قیمتی سامان ہے" ایک ایسا موجود ہے جو دو متمایز "میکانیکی" اور "نفسیاتی" چیزوں سے مرکب ہے اور مادّی و حیوانی اوصاف مشترک کے

ساتھ بہت زیادہ معنوی احتیاج بھی رکھتا ہے۔ اس کی ان خواہشات کی تکمیل اس کے انتہائے کمال پر موقوف ہے۔ اور انسانی وجود میں ان دونوں اجزائے ترکیبی میں جو قوی تر ہوگا اس کے مقابلہ والا یقیناً کمزور و ضعیف ہوگا۔

آج کل کی دنیا وی، علمی و صنعتی ترقی نے حیات بشر کو بدل کے رکھ دیا ہے۔ اور زندگی کے تمام شعبوں میں جو صنعتی تکامل اور تحوّل عجیب پیدا ہو گیا ہے اس نے تاریکیوں کو روشن اور مشکلات کو آسان بنا کر عرصۂ گیتی کو دریاؤں کی گہرائی سے لیکر اوجِ فضائک کو میدانِ جولان بنا دیا ہے۔ لیکن اس علمی ترقی اور تمام قوتوں اور افکار کے مسائل مادی پر مرکوز ہو جانے نے ایمان و تقویٰ کی بنیادوں کو کمزور کر دیا ہے اور وہ وحشتناک مفاسد کا ایک سلسلہ معاشرے کے ہر پہلو میں پیدا کر دیا ہے اور جنایات و جرائم "بے بندو باری" کے بازار کو گرم کر دیا ہے۔ معاشرے کی اصلاح و سعادت کے اسباب نے فساد و بدبختی کے مقابلہ میں اپنے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔ اور روحانیت کے بچے کھچے اجزاء بھی نفسانی خواہشات کے شعلوں میں جل کر خاک ہو گئے ہیں۔

ایسی دنیا میں (فضل) کو "فضیلت" پر غلبہ حاصل ہو گیا ہے انسان اپنی علمی ترقی کے ہتھیاروں سے آراستہ ہو چکا ہے ــــ لیکن فرشتۂ فضیلت جو روح کا نگہبان ہے وہ ہوا و ہوس کے اہرمن سے پامال ہو چکا ہے اور انسانی عواطف مرگ فضیلت کے باعث عالم احتضار میں ہیں۔

جھوٹ، حرص، نفاق، ستمگری جاہ طلبی اور تمام ان اخلاقی رذائل ــــ جن میں سے ہر ایک سعادت و تکامل کے راستہ کا روڑا ہے ــــ نے سعادت و خوش بختی کے سامنے مضبوط بند باندھ دیئے ہیں۔ اور لوگوں کے پیروں میں زنجیر ڈال دی ہے۔ اور پورے معاشرے کا تیا پانچا مار دیا ہے۔ اتحاد کے رشتوں کی شکستگی فردی و اجتماعی ناراحتی

— مختصر یہ کہ ہر قسم کی بدبختی — نے معنویت کو ختم کر دیا ہے اور حسنِ فضیلت کو نابود کر دیا ہے. یہ ایک دردناک حقیقت ہے کہ اگر آج کے انسان سے اس کے مادّی فوائد سلب کر لئے جائیں تو اس عظیم کائنات میں اس کے لئے کوئی تکیہ گاہ نہیں ہے اور یاس و ناامیدی کے تھوڑے سے فشار کے بعد ہی وہ اپنی روحانی طاقت کو کھو بیٹھتا ہے. علمائے علم اخلاق و روانشناسوں نے لکھا ہے: انسان کی انسانیت اسی وقت متحقق ہو سکتی ہے اور بشر اسی وقت بلند ترین مقام ہستی پر فائز ہو سکتا ہے جب روحانی معنویت اور ملکاتِ فاضلہ اس میں ظاہر ہو جائیں اور صفات و عواطف کے درمیان ایک مخصوص قسم کا اعتدال پیدا ہو جائے. کیونکہ یہی معنوی سرمایے اور اخلاقی فضائل ہیں جو بے اعتدالیوں سے روکتے ہیں اور آدمی کو نقطۂ کمال تک پہونچاتے ہیں۔

● ● ●

انسانی معاشرے میں جن شخصیتوں نے ظہور کیا ہے اور تاریخ بشریت میں ان کا نام سنہرے حرفوں سے لکھا ہے ان لوگوں نے یہ ترقیاں اپنے معنوی امتیازات اور پاکیزہ اخلاقی ملکات کے بدولت ہی کیا ہے. جس معاشرے میں اخلاقیات کا فقدان ہو اور انسانی تعلیم اس معاشرے پر حاکم نہ ہو تو وہ معاشرہ شائستۂ حیات و زندگی نہیں ہوا کرتا. بزرگ ترین تمدنوں اور بڑی بڑی قوموں کے انقراض کی علت صرف اقتصادی وضع کی خرابی ہی نہیں تھی بلکہ ان کے سرمایہ معنوی و اخلاقی کا فقدان بھی تھا. اس لئے کہ فضیلت و معنویت کے ستونوں میں تزلزل اور معاشرے کے ویران و برباد ہو جانے کی سب سے بڑی علت اسی سرمایۂ اخلاقی و معنوی کا فقدان ہے۔

انسانی قوانین اور بشری نظام آدمیوں کی روح کی گہرائیوں میں نہ تو اثر انداز ہو سکتا ہے اور نہ معاشروں اور ملتوں اور مختلف نسلوں کے درمیان معنوی رابطہ برقرار رکھ سکتا ہے۔

انسان کے بنائے ہوئے قوانین علم و دانش کی محدودیت اور موجودات پر عدم احاطہ اور مختلف عوامل کے تحت تاثیر ہونے کی وجہ سے انسان کی ہمہ پہلو سے سعادت کی ذمہ داری کی صلاحیت نہیں رکھتے اسی لئے وقتی جنبہ اور معاشروں کی تغیر کی وجہ سے بدل جاتے ہیں.

اصولی طور سے ان تمام مفاسد و بدبختیوں کی پیدائش کے ذمہ دار انمیں بشری قوانین کا نقص اور موجودہ پروگرام ہی ہے۔

لیکن مقدس انبیاء کا مکتب چونکہ الہام واشراقِ وحی اور پروردگارِ عالم کے غیر محدود علم پر متکی ہوتا ہے اس لئے اس میں نہ تغیرات کا طوفان ہوتا ہے۔ اور نہ اس میں انقلاب پیدا ہوتا ہے۔ اور چونکہ وہ مکتب حقائق ہستی اور موجودات عالم پر مطلع ہوتا ہے اسلئے انسان کے لئے مکمل پروگرام پیش کرتا ہے اسی لئے ان مکاتیب نے تہذیب نفس، اصلاح نفس اور روحانیت کی بلندی کا پروگرام پیش کیا ہے. معاشرے کے اندر دینی تعلیمات اور اس درخشاں نتائج اور وسیع و قطعی اثرات کا انکار نہیں کیا جاسکتا جب تک خود لوگوں کے باطن میں عدالت کا محکمہ قائم نہ ہوجائے اصلاح کے لئے جو بھی اقدامات کئے جائیں گے وہ ناکام ہونگے۔ ایک مکمل تمدن اور مکمل امن و سعادت کا ماحول اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک افراد معاشرہ اخلاقی و معنوی سرمایہ سے آراستہ نہ ہوجائیں۔

اسلام کی بنیاد! تاریخ کی جس بزرگ ترین شخصیت کے ہاتھوں رکھی گئی ہے۔ اور ایمان و تقوی کو جس کا ستون بنایا گیا ہے وہ اسلام علاوہ اس بات کے جہان آخرت کی سعادت کا ذمہ دار ہے وہ اس دنیا کی آسائش حیات کا بھی ذمہ دار ہے۔ اسلام کا مقصد ہی انسان کی بلندی اور پاکیزہ عقائد و ملکات فاضلہ کی ترویج ہے. اسلام خواہشات کیلئے فضائل کی قربانی کا ہرگز قائل نہیں ہے اور ان لوگوں کا شدید مخالف ہے جو انسانیت اور شرفِ انسان کو داغدار بناتے ہیں. اور اعتماد عمومی و حسن تفاہم کو متزلزل بنا دیتے ہیں۔

جس معاشرے کے افراد کے روابط کو اسلام معین کرتا ہے اور جس معاشرے میں خلوص وصفا سایہ فگن ہوتا ہے اور ہر ایک کی حیثیت و شرافت کا ہر جگہ لحاظ رکھا جاتا ہے، وہ معاشرہ بہت ہی عمدہ ہوتا ہے اس میں قانون کے اعتبار سے ہر شخص برابر ہوتا ہے اسی میں وحدت معنوی ہوتی ہے اور اسی میں ایسا نظام ہوتا ہے. جو پورے معاشرے کی سعادت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

● ● ●

جو کتاب آپ حضرات کے ہاتھوں میں ہے اس میں اخلاقی موضوعات کا ایک سلسلہ تحریر کیا گیا ہے اور اس میں اسلامی قیمتی تعلیمات کا ذکر کیا گیا ہے

اگرچہ ہمارے بزرگوں کی جتنی اخلاقی کتابیں اور حکمت عملی کے آثار موجود ہیں وہ خود ہی قیمتی خزانہ سے کم نہیں ہیں اور ان کے نثر کے خزانوں میں گراں بہا جواہر موجود ہیں لیکن چونکہ امتدادِ زمانہ کی وجہ سے ان کا اسلوب اور ان کی شادابی ختم ہو چکی ہے۔ اور وہ زیادہ تر نظری قواعد پر مبنی ہیں. لہذا اس زمانہ میں ان سے استفادہ نہیں کیا جا سکتا.

حقیر نے کوشش کی ہے کہ اخلاقی موضوعات کو آج کی زبان میں لکھا جائے اور سادہ و پسندیدہ و نامانوس اصطلاحات سے گریز کیا جائے اور اخلاقی مسائل کے ساتھ کچھ روحانی و تربیتی مسائل کا حل ذکر کر دیا جائے۔ اور مغربی مفکرین کے نظریات کے ساتھ ساتھ ہی روایات اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے ان ارشادات کو بھی شامل کر دیا جائے۔ جن کو تیرہ سو سال پہلے ان حضرات نے بیان کیا تھا۔

یہاں پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اس کتاب کا کچھ حصہ تھوڑا تھوڑا کر کے دنیائے علمی مجلہ "مکتب اسلام" میں نشر کیا جا چکا ہے. حقیر اس کتاب کے بارے میں کوئی تشریح نہیں کرنا چاہتا۔

البتہ محترم قاری حضرات اس بات کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ یہ اخلاقی کتاب ایک نئے اسلوب سے لکھی گئی ہے اور اس کی روش دیگر کتابوں سے جدا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہم سب حضرات بزرگان اسلام کی نصیحتوں اور قیمتی ارشادات اور اسی طرح دانشمندان اخلاق کے اقوال پر عمل کر کے اپنی اصلاح کر سکتے ہیں اور اپنے نفسیات واخلاقیات کی مشکلات کو حل کر سکتے ہیں۔ اور اس طرح واقعی سعادت وخوش بختی کو حاصل کر سکتے ہیں۔

سید مجتبیٰ موسوی لاری

(۱)

بدخُلقی

① دوستی اور محبت کی قیمت

② بدخلقی سے ذہنی انتشار پیدا ہوتا ہے

③ رسولؐ اکرم دستور بتاتے ہیں

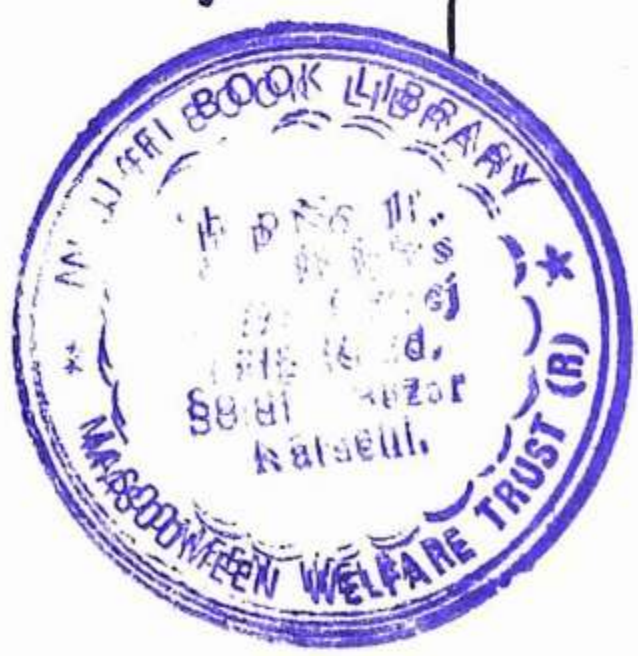

(۱)
دوستی اور محبّت کی قیمت

دوست بنانا وجودِ بشر کی فطری ضرورت ہے۔ اسی یقینی حقیقت کی بنیاد پر ایک اندرونی طاقت انسان کو دوسروں سے دلبستگی اور علاقہ رکھنے پر آمادہ کرتی ہے اور اس فطری میلان کی مخالفت بھی نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے اس ضرورت کی تکمیل کرنی چاہئے۔ ہر شخص اپنے ہم جنسوں سے دوستانہ روابط برقرار رکھتا ہے اور ان لوگوں کی الفت وانسیت سے استفادہ کرتا ہے

دوستی سرچشمہ راحت وآرام اور ایک بہترین روحی لذت ہے جو امتدادِ زمانہ کے ساتھ روزافزوں ہوتی رہتی ہے اور مائل بکمال ہوتی جاتی ہے اس طویل و عریض دنیا میں دوستی سے زیادہ گراں بہا چیز کا وجود نہیں ہے۔

تنہائی اور بے دوستی کا رنج جان لیوا ہوتا ہے۔ اگر ہمارا روحانی رشتۂ محبت کسی سے نہ ہو۔ اور کوئی شخص ہماری روح کو اپنی پناہ میں نہ لے تو ہم اضطراب و آشفتگی کے تھپیڑوں کی نذر ہو جائیں گے۔ اور ہمارے وجود کی دنیا تاریک وتہہ وبالا ہو جائے گی۔ ایک دانشمند کا مقولہ ہے:

خوشبختی وسعادت کا راز اس بات میں ہے کہ دنیائے خارج سے ہمارے روابط دوستانہ ہوں نہ کہ دشمنانہ، جو شخص اپنے افرادِ طبیعت کو دوست بنانے پر قدرت نہ رکھتا ہو وہ اپنی زندگی کو اضطراب و پریشانی سے خالی رکھنے پر ہرگز قادر نہیں ہوسکتا

جو چیزیں معاشرے کو بہترین طریقہ سے منضبط کر سکتی ہیں۔ ان کا دار مدار حقیقی مہر و محبت پر موقوف ہے اور حساس ترین لمحات میں دو روحوں کی ہم آہنگی و میلان و محبت پر موقوف ہے اور اسی راستہ سے پُر رونق و سعادت بخش دوستی کی بنیاد رکھی جاتی ہے رشتۂ محبت کو دائمی بنانے کے لئے بیگانگی کی دنیا کو ویران کر کے دوسروں کے خلوص کا مثبت جواب دینا ہوتا ہے سب سے قیمتی دوستی وہ ہے جو بغیر غرض ہو۔ شعور و احساسات کا قافلہ اس کے ساتھ ہو۔ محتاج محبت و افسردہ روح کو بڑی سرگرمی سے اپنی محبت پیش کر کے خوش و خرم کر سکے۔ جو شخص کسی کی دوستی کا خواہشمند ہو اس کو چاہئے کہ کسی بھی حالت میں رشتۂ محبت کو کمزور نہ ہونے دے بلکہ زندگی کی دشواریوں میں، ہجوم رنج و بلا میں، حیات کی تاریکیوں میں اس کے شیشۂ دل میں کدورت کا گرد نہ بیٹھنے دے اور اگر اتفاق سے بیٹھ جائے تو فوراً اس کو دور کر کے صاف و شفاف بنا دے۔ اور امید و اطمینان کے میووں کی اس کے دل کے گلزار میں کاشت کر دے۔

اسی شخص کو دوسروں سے محبت و دوستی کے تقاضا کرنے کا اور ان کے جذبات سے استفادہ کرنے کا حق ہے جس کا دل دوسروں کی محبت سے لبریز ہو، بقول بعض لوگوں کے:

"ہماری دنیا ایک کوہسار کے مانند ہے جہاں ہر شخص اپنے آواز کی بازگشت کو سنتا ہے۔ اس لئے جس کے دل میں دوسروں کی الفت و محبت بھری ہوگی وہ دوسروں سے وفا کے علاوہ کچھ نہ دیکھے گا۔ مادی زندگی کا دار مدار تبادلہ پر ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم یہ اعتراف کرنے پر تیار نہیں ہیں کہ معنوی زندگی بھی اسی بنیاد پر استوار ہے آخر جب آپ دوسروں کیساتھ وفا نہیں کرتے تو دوسروں سے انتظار وفا کیوں کرتے

ہیں؟ اور کس بنیاد پر آپ دوسروں کی محبت کے طلبگار ہیں جب کہ آپ دوسروں سے محبت نہیں کرتے؟"

اگر دوستی کی بنیاد دوطرفہ محبت پر نہ ہو اور آپسمیں یگانگی و رابطۂ قلبی نہ ہو تو اس کا انجام عذاب و تلخکامی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جب دلوں پر ظاہر داری و ریا کاری کا سایہ ہو جائے اور ظاہر داری اپنے تمام نقصانات سمیت افراد کی زندگی پر مسلط ہو جائے اور مادی منافع کی خاطر تملق و چاپلوسی صداقت و راستی کی جگہ لے لے۔ اور واقعی خلوص و محبت کا فرشتہ معاشرے کی آلودگیوں کے ویرانہ پر بھینٹ چڑھ جائے تو ہمدردی و ہمزیستی کمزور پڑ جاتی ہے اور معاونت و ہمکاری جو خلوص کا لازمہ ہے۔ وہ ختم ہو جاتی ہے۔

اب ہماری معاشرت و زندگی ایسے افراد کے ساتھ ہے جن کے دل کی گہرائیوں میں مہر و محبت کا وجود نہیں ہے۔ آجکل کے لوگ لباس ریاکاری زیب تن کئے ہیں دوستی کے نقاب میں اپنے کو چھپا رکھا ہے۔ لیکن اکثر اوقات اس حقیقت کا انکشاف ہو جاتا ہے اور اگر آپ متوجہ ہوں تو ان کے چہرے سے اس نقاب کو نوچ سکتے ہیں۔ سعادت و تربیت روح کا ایک ذریعہ نیک لوگوں سے بہ صمیم قلب رفاقت کرنا ہے انسان ان لوگوں کی رفاقت کے زیر سایہ اپنے افکار کی پرورش کر سکتا ہے۔ اپنی روح کو عادی ماحول سے بلند کر کے تقویٰ و فضیلت کی فضا میں پہونچا سکتا ہے۔

البتہ بہت دیکھ بھال کے جانچ پرکھ کے چھان پھٹک کے دوست منتخب کرنا چاہئے۔ جس شخص کی پاکیزگی اور فضیلت پر بھروسہ نہ ہو اس سے راہ و رسم محبت پیدا کرنا غلطی ہے کیونکہ انسان کی تخلیق کچھ اس طرح کی گئی ہے کہ وہ رفتہ

رفتہ اپنے معاشرین کی روحی حالت پر مطلع ہوتا ہے اس لئے اگر کافی تحقیق کیے بغیر دوست بنالیا تو ہوسکتا ہے اس کے اخلاق سے متاثر ہوکر اپنی سعادت و خوشبختی کی عمارت کو مسمار کر بیٹھے !!!

●●●

(۲) بد خلقی سے ذہنی انتشار پیدا ہوتا ہے

کچھ بداخلاقیاں اور بعض ناپسندیدہ عادتیں دوستی کی بنیاد کو کمزور کر دیتی ہیں اور رشتۂ محبت کے ٹوٹ جانے کا سبب بنتی ہیں۔ جس کے اخلاق اچھے نہ ہوں، جس کے مزاج میں سختی ہو وہ اپنے اور دوسروں کے درمیان ایسی دیوار کھڑی کرلیتا ہے کہ پھر دوستی ناممکن ہوجاتی ہے۔ بد خلقی انسان کی قدر و قیمت کو گرادیتی ہے اور انسان کی سعادت و خوشبختی کو مجروح کر دیتی ہے۔

یہ بات مسلّم ہے کہ ہر شخص بداخلاق آدمی سے نفرت کرتا ہے اور اس سے دور ہی دور رہتا ہے۔ ایک نامانوس و بدمزاج شخص کی مصاحبت سے انسان کو رنج و تکلیف کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔ اور ایسا شخص قہری طور سے خود ہی اپنی ترقی کی راہوں میں روڑا بن جاتا ہے۔ اور جن طاقتوں کے ذریعہ ترقی و پیشرفت کرسکتا ہے ان کو اپنے ہاتھوں سے کھو دیتا ہے۔

کسی کے ساتھ معاشرت کرنے میں بہت سی چیزوں کا پہلے سیکھنا ضروری ہے تاکہ اسی کے مطابق عمل کرے اور ان چیزوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے جو معاشرے کے صحیح رسم و رواج کے مخالف ہوں، کیونکہ ان چیزوں پر جب تک عمل نہ کیا جائے

صحیح معاشرہ کی تشکیل نہیں ہو سکتی اور نہ اخلاق عمومی کی تکمیل ہو سکتی ہے معاشرت میں کامیابی کی پہلی شرط "حسن خلق" ہے۔ انسان میں حسن خلق کی صفت بہت ہی عمدہ اور لوگوں کو اپنی طرف جذب کرنے والی ہے۔ انسان کی شخصیت کو بلند کرنے میں اس صفت کا کافی دخل ہے۔ یہ انسان کی تمام حیاتی طاقتوں کو ابھار دیتی ہے اور زندگی و معاشرے کے ادارہ کرنے میں بہت ہی مؤثر ہوتی ہے۔ حسن خلق کے علاوہ کسی بھی صفت کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ دوسروں کے جذبات کو ابھار سکے اور زندگی کی تکلیفوں میں کمی کر سکے۔

جس شخص کے اندر یہ ممتاز روحانی صفت موجود ہوگی اس سے کبھی بھی دوسروں کو اذیت نہ ہوگی بلکہ اس کی پوری کوشش یہ ہوگی کہ اپنے چاروں طرف نشاط و مسرت کو ایجاد کرے تاکہ اس کے اطمینان بخش وجود کی وجہ سے شخصی پریشانیوں کو فراموش کر سکے اور اپنے حلم و بردباری کی وجہ سے زندگی کی دشواریوں اور مشکلات سے نجات پا سکے۔

حسن خلق اپنی شخصیت کے بنانے میں قوی ترین عامل ہے: مثلاً کسی بھی معاملاتی مرکز کی ترقی کا دار مدار اس کے ملازمین کی خوش خلقی پر موقوف ہوتا ہے۔ جس ادارہ کا منیجر خوش خلق ہوگا وہ خود تو خوش و خرم ہوگا ہی وہ اپنی اس صفت کی بنا پر لوگوں کو اپنا فریفتہ و مجذوب بنا لے گا۔ جس سے ادارہ کی کارگردگی پر بہت اچھا اثر پڑے گا۔ بقول حافظ شیرازی ؎

بحسن خلق توان کرد صید اہل نظر
بدام و دانہ بگیرند مرغ دانا را

کسی بھی گروہ میں محبوب و مقبول بننے کا راز خوش خلقی میں مضمر ہے بداخلاقی کی علت چاہے جو ہو وہ دوسروں کے لئے قابل برداشت نہیں ہے۔ اگر آپ اپنے آس پاس

کے لوگوں کے بارے میں تحقیق و جستجو کریں تو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ بعض لوگ آپ کے دل میں جگہ کیوں نہ پیدا کر سکے۔ اور اس کے برخلاف بعض لوگوں کے صفات و اخلاق نے آپ کو ان کا گرویدہ کیوں بنا لیا۔ اور انھوں نے آپ کے دل کو کیونکر مسخر کر لیا۔

ایک مغربی محقق خوش اخلاقی کے سلسلہ میں ایک شخص کا ذاتی تجربہ لکھتے ہوئے تحریر کرتا ہے کہ وہ شخص کہتا ہے:

میں نے طے کر لیا کہ نشاط و مسرت اور کشادہ روئی خوش اخلاقی کا اپنے بارے میں تجربہ کروں گا۔ یہ طے کر لینے کے بعد ایک دن صبح میں دفتر کے لئے روانہ ہوا۔ میں مدتوں سے پریشان و غمگین رہا کرتا تھا۔ میں نے اپنے سے کہا میں نے کئی مرتبہ دیکھا ہے کہ دوسروں کی خوش اخلاقی و کشادہ روئی نے مجھے طاقت و مسرت بخشی ہے اب مجھے یہ دیکھنا ہے کہ کیا مجھ میں اتنی قدرت و طاقت ہے کہ میں بھی دوسروں کو متاثر کر سکتا ہوں یا نہیں؟ راستہ میں خوش اخلاقی و کشادہ روئی کو بار بار تکرار کرتا رہا اور یہ کوشش کرتا رہا کہ اپنے کو اس بات پر آمادہ کر لوں اور اپنی جگہ پر طے کر لوں کہ میں ایک سعادت مند شخص ہوں۔ یہ طے کرنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میرے بدن کو بڑی راحت نصیب ہو گئی ہے۔ اور جیسے میں مسرتوں کی فضا میں پرواز کر رہا ہوں۔ میں نے مسکراتے ہوئے اپنے چاروں طرف نظر دوڑائی تو ایسا کچھ محسوس ہوا جیسے میرے چاروں طرف کے لوگوں کے چہروں سے آثار غم ہویدا ہیں۔ یہ دیکھ کر مجھے تکلیف ہوئی اور دل میں یہ احساس جاگ اٹھا کہ کاش میرے اندر جو نور پیدا ہو گیا ہے اس کا کچھ حصہ دوسروں کو دیدوں۔

اپنے کمرے میں پہونچ کر کیشئر کو میں نے بڑے تپاک سے سلام کیا ــــ یعنی

اتنے تپاک سے سلام کیا کہ عام حالات میں چاہے میری جان چلی جاتی ایسا سلام نہ کرتا
— میرے سلام کرتے ہی وہ بھی بہت تپاک سے مجھ سے ملا۔ اور ہمارے درمیان
ایک محبت سی پیدا ہو گئی اور میں نے محسوس کیا کہ میری نشاط و مسرت نے اس کو بھی
متاثر کر دیا ہے۔ اس کمپنی کا منیجر ایک ایسا شخص تھا جو ہر وقت کام میں مشغول
رہتا تھا۔ اس کو سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنے کی فرصت بھی نہ تھی اور وہ بہت تند مزاج تھا
مجھے اس نے "میرے کاموں کے بارے میں" اتنا سخت وست کہا کہ اگر دوسرا کوئی
دن ہوتا تو میں بہت دل شکستہ و رنجیدہ ہو جاتا کیونکہ میں ضرورت سے زیادہ ہی حساس
ہوں۔ لیکن اس دن چونکہ میں نے طے کر رکھا تھا کہ کسی بھی حادثہ سے کبیدہ خاطر نہ ہوں
گا اس لئے بڑے احترام سے اس کو جواب دیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی
پیشانی پر پڑی لکیریں مٹ گئیں۔ اس دن کا یہ دوسرا حادثہ تھا۔ اس دن غروب آفتاب
تک میری یہی کوشش رہی کہ اپنے دوستوں کو خوش و خرم رکھوں اور اس طرح میں نے
ہوٹل والوں کے ساتھ بھی اپنے تجربے کو آزمایا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ بالکل
ہی غیر متعلق رہا کرتے تھے وہ مجھ سے قریب ہونے لگے۔ اور ان سے ربط و ضبط
کافی بڑھ گیا۔ مختصر یہ کہ متعدد تجربوں کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ خوش اخلاقی سے میں
خود خوش و خرم رہ سکتا ہوں۔ اور اپنے اطراف والوں کو بھی خوش و خرم رکھ سکتا ہوں۔

اگر آپ بھی اسی طریقۂ کار کو اپنا لیں گے تو دیکھیں گے کہ آپ کے چاروں طرف
خوشیاں غنچوں کی طرح مسکراتی ہوں گی۔ اور آپ کسی بھی قیمت پر بغیر دوست کے نہیں
رہ سکتے اور آپ کی روح پر سکون و آرام کی حکومت ہو گی!

کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے جو اس صفت کی اہمیت کا قائل نہ ہو۔ حد یہ ہے کہ دشمن
کے دل کو موہ لینے کیلئے بھی یہ صفت کارآمد ہے ایک محبت آمیز گفتگو جادو کا اثر رکھتی ہے

گفتگو کرتے وقت ادب و احترام کا لحاظ دشمن کو زیر کرنے میں بہت اہمیت رکھتا ہے
ایک مغربی رائٹر نے لکھا ہے :
خوش اخلاق شخص کے لئے تمام دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ لیکن بداخلاق لوگ کسی بھی دروازے میں داخل ہونے کے لئے اس کو دبانے پر مجبور رہیں۔ سب سے اچھا کام وہی ہے جو ادب و احترام و خوش اخلاقی سے کیا جائے۔ لیکن یاد رکھئے وہی کشادہ روئی و خوش اخلاقی سبب سعادت مندی و کمال ہوتی ہے جو خلوص دل سے ہو اس میں ریاکاری و بناوٹ کا شائبہ بھی نہ ہو۔ یعنی حسن مہر و مہربانی دل کی گہرائیوں سے جوش مار کر نکلے۔ ادب و حسن خلق جب تک باطنی و پاک ملکات کے سہارے نہ ہو اس کی کوئی قیمت نہیں ہوا کرتی۔ صرف حسن ظاہر کسی کی پاکیزہ سیرت کی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے یہی ظاہری اخلاق سیاہ قلب و برباد دل کے ساتھ ہو۔ آپ نے خود بھی دیکھا ہوگا بہت سے بدسیرت دیو ملکوتی لباس پہن کر اپنے وحشت ناک اور نفرت آمیز چہروں کو فریبندہ نقاب کے پیچھے چھپائے رکھتے ہیں۔

● ● ●

NAJAFI BOOK LIBRARY
MASOOMEEN WELFARE TRUST (R)
Karachi.

(۳)
رسول اکرمؐ دستور بتاتے ہیں

تمام مسلمانوں کو یہ بات معلوم ہے کہ اسلام کی ترقی میں رسول اکرمؐ کے حسن اخلاق کو سب سے زیادہ دخل ہے کیونکہ خود خداوند عالم اسلام کی وسعت و گسترش کی نسبت اخلاق پیغمبرؐ کی طرف دیتا ہے :

"وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ

اگر تم بدمزاج و سخت دل ہوتے تب تو (نجانے کب کے یہ) لوگ تمہارے پاس سے تتر بتر ہو جاتے۔ (سورۂ آل عمران (۳) آیت نمبر ۱۵۹)

حضرت رسول اکرمؐ اپنی آغوش محبت بار کو ہر کس و ناکس کے لئے کھولے رہتے تھے۔ آپ کے ملکوتی چہرے سے مہر و محبت کی کرنیں پھوٹتی رہتی تھیں۔ تمام مسلمانوں کو ایک آنکھ سے دیکھتے تھے انتہا یہ ہے کہ آپ اپنی نظر کو برابر برابر اصحاب پر تقسیم کرتے تھے۔ یعنی جتنی دیر ایک صحابی پر نظر کرتے تھے اتنی ہی دیر دوسرے صحابی پر نظر فرماتے تھے [1]

پیشوائے اسلام بداخلاقی کی اس طرح مذمت فرماتے ہیں :

بداخلاقی شوم ہے اور تم میں سب سے بُرا وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ بداخلاق ہو [2] دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں :

اے اولاد عبدالمطلب! اگر تم لوگوں کے ساتھ مالی امداد نہیں کر سکتے تو کشادہ روئی و حسن اخلاق سے لوگوں سے ملاقات تو کر سکتے ہو [3]۔ انس بن مالک جو رسولؐ خدا کے خدمت گزار تھے برابر رسولؐ خدا کی خوش اخلاقی کا ذکر کرتے رہتے تھے اور لوگوں سے کہا کرتے تھے :

مجھے رسولؐ خدا کی خدمت گزاری کا دس سال کا شرف حاصل ہے۔ لیکن میں نے کبھی آنحضرتؐ کے چہرے پر ناراضگی کے آثار نہیں دیکھے۔ اور اس پوری مدت میں آنحضرتؐ نے ایک مرتبہ بھی میرے ناپسندیدہ افعال پر چیں بہ جبیں نہیں ہوئے اور نہ کبھی غصہ کا اظہار فرمایا۔

---

[1] روضۂ کافی ص ۲۶۸ [2] نہج الفصاحہ ص ۲۷۱

[3] وسائل الشیعہ جلد ۲ ص ۲۲۱۔

خوش اخلاقی عمر کو بڑھاتی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کا ارشاد ہے:
نیکی و خوش اخلاقی شہروں کو آباد کرتی ہے۔ اور آدمی کی عمر کو زیادہ کرتی ہے[1]
بیماریوں سے بچنے اور ان کا علاج کرنے کا ایک طریقہ نشاط بھی ہے اکثر دوائیں کسی ایک مرض کو فائدہ پہونچاتی ہیں تو اسی کے ساتھ دوسری بیماری پیدا کر دیتی ہیں لیکن نشاط کا اثر دائمی ہوتا ہے اور پورے بدن کو اس سے فائدہ ہوتا ہے نشاط آنکھوں کو روشن، جسم کو خوبصورت، قدموں کو مضبوط بناتی ہے۔ آواز کو صاف کرتی ہے تمام حیاتی طاقتوں کو ان کے اپنے اعمال کی انجام دہی پر آمادہ کرتی ہے۔ جو لوگ خوش اخلاق ہوتے ہیں ان کے خون کی روانی تیز ہوتی ہے پھیپھڑوں میں اچھی ہوا داخل ہوتی ہے اور بدن کو صحت و سلامت رکھتی ہے۔ بیماری کو ختم کر دیتی ہے۔ (ڈاکٹر سنڈرسن)

ایک قابل توجہ بات یہ ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے نیکی کے ساتھ خوش اخلاقی کو طول عمر کا سبب بتایا ہے اس لئے کہ ایک نیکو کار جب نیک کاموں کی انجام دہی میں مشغول ہوتا ہے تو اپنے اندر ایک مسرت و نشاط خاص کا احساس کرتا ہے اس لئے صحت کے اعتبار سے یہ نیکو کاری وہی اثر رکھتی ہے جو خوش اخلاقی رکھتی ہے۔

اس کے علاوہ خوش اخلاقی کو انسان کی اسباب نیکبختی میں شمار کیا جاتا ہے حدیث میں ہے: خوش اخلاقی انسان کی نیک بختی ہے[2] یہ بات مشہور ہے کہ (انسان کی زندگی میں کامیابی و ترقی کے اندر اس کی ذاتی قوتوں اور فطری صلاحیتوں کو جتنا دخل ہوتا ہے) خوش اخلاقی اور اعتدال مزاجی کا بھی اسی قدر دخل ہوتا ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ انسان کی نیک بختی و سعادت کا دار مدار خوش اخلاقی اور دوسروں کے ساتھ مہر و محبت سے پیش آنے پر ہے (ساموئیل اسمایلز)

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۲ ص ۲۲۱ [2] مستدرک الوسائل ج ۲ ص ۸۳

خوش اخلاقی زیادتی رزق اور مہر و محبت کی پیدائش کا سبب ہوا کرتی ہے۔ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: خوش اخلاقی رزق کو اتارتی ہے اور دوستوں میں انس و محبت کو بڑھاتی ہے [1] اسوت ماردن اپنی کتاب "خوشتین سازی" میں لکھتا ہے:

میں ایک مہمان خانہ کے ایک ایسے منیجر کو پہچانتا ہوں جو اپنے اچھے اخلاق اور نیک نامی کی وجہ سے شہرت رکھتا ہے اور اس نے اسی وجہ سے بہت دولت کمالی ہے اس کی شہرت کا یہ عالم ہے کہ دور دور سے مسافر و سیاح حضرات صرف اس کے مہمان خانہ میں قیام کرنے کے لئے آتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے اس مہمانخانہ کا ماحول ان کے گھریلو ماحول سے بہت ملتا جلتا ہے۔ مہمان جیسے ہی دروازہ میں داخل ہوتا ہے ایک عجیب خوشی و مسرت و سعادت کا احساس کرتا ہے جس کا وجود دوسرے مہمان خانوں میں نہیں ہے۔ دوسرے مہمانخانوں میں جو سرد مہری، خستگی، تکلف پایا جاتا ہے ان کا اس مہمانخانہ میں کہیں دور دور تک پتہ نہیں ہے۔ یہاں کے سارے ملازمین کی کوشش ہوتی ہے۔ کہ آنے والے مہمانوں کے ساتھ تا حدِ امکان دوستی، نرمی، خوش اخلاقی سے پیش آئیں۔ ان سے مسکرا کے بات کرتے ہیں۔ ان کی ضروریات کو بڑی محبت سے پوری کرتے ہیں اور ہر مہمان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جس سے اس کے دل میں اس مہمان خانہ کی جگہ ہو جائے تاکہ یہ لوگ صرف تنہا ہی نہیں بلکہ اپنے دوستوں، شناساؤں، رشتہ داروں کو بھی یہاں آنے پر آمادہ کریں۔

ظاہر سی بات ہے کہ اس قسم کا برتاؤ نئے مہمانوں کو متاثر کرتا ہے اس کے بعد یہی اسوت ماردن اضافہ کرتا ہے اور کہتا ہے: کسی بھی زمانہ میں ادب و تربیت کی اتنی ارزش نہیں سمجھی جاتی تھی جتنی اس زمانہ میں سمجھی جاتی ہے اس زمانہ میں جو شخص بھی اپنی

[1] غرر الحکم ص ۲۷۹

زندگی میں ترقی وپیشرفت چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں کے لئے خلوص، محبت، اچھے اخلاق کا سرمایہ اپنے پاس رکھتا ہو،

حضرت امام جعفر صادقؑ آدمی کی خردمندی اور کمال عقل کی دلیل کشادہ روئی کو سمجھتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں:

جن لوگوں کے عقل وخرد کی طاقت دوسرے لوگوں سے قوی وکامل تر ہے وہ وہی افراد ہیں جو اچھے اخلاق کے مالک ہیں [1]

تاریخی اعتبار سے یہ بات مسلم ہے کہ ہر زمانہ کے اہم لوگ ونوابغ روزگار وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہمیشہ خوش ومسرور رہتے تھے۔ اور اس اعتبار سے انھوں نے زندگی کے حقیقی مفہوم کا ادراک کرلیا تھا اور اپنی روح کو اپنے آثار میں مجسم کرلیا تھا۔ جب انسان ان کے حالات کا مطالعہ کرتا ہے تو ان کی صحت عقل، سلامت نفس، شوق ونشاط اس پر واضح ہوجاتے ہیں، بلند روحیں، حاکم عقول سب کی سب دارلئے نشاط وبشاشت تھیں۔ ان کے اخلاق نمونہ تھے جو شخص بھی ان سے متأثر ہوجاتا ہے وہ ان کی پیروی کرتا ہے اور ان کی فطری سرور ونشاط کے پرتو میں ان سے اکتساب نور کرتا ہے (ساموئیل اسمائیلز)

سرکار رسالت کا ارشاد ہے: جو چیز میری امت کو سب سے زیادہ جنت میں لیجائے گی۔ وہ خوف خدا وخوش اخلاقی ہے [2]

جس شخص کا چراغ عقل اس کی زندگی کا رہبر ہوا اور وہ زندگی کی شرافت کو حاصل کرنا چاہتا ہو اس کو چاہئے کہ گرانمایہ باطنی سرمایہ کو حاصل کرے اور بدخلقی کو چھوڑدے اور بداخلاقی کی برائیوں کو اپنا مرکز نگاہ بنالے اور عقل کو اس کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کرلے۔

---

[1] و [2] وسائل الشیعہ ج ۲ ص ۲۲۱

(۲)

حسن ظن

① اطمینان وسکون قلب

② حسن ظن کے نتائج وثمرات

③ اسلام حسن ظن کی تاکید کرتا ہے

(۱)

اطمینان وسکون قلب

ہر انسان اپنی زندگی میں "سکون قلب" کا متلاشی ہے۔ اور یہ تلاش ہر چیز سے زیادہ ہے زندگی کی اس بھاگ دوڑ میں جس شخص کے پاس سکون قلب کا ہتھیار نہ ہوگا وہ شکست کھا جائے گا۔ اور زندگی کا بار جتنا جتنا بڑھتا جائے گا۔ عقائے سکون قلب کی تلاش بھی بڑھتی جائیگی، اس لئے ہم کو یہ دیکھنا ہوگا کہ اس آشفتہ وہیجان زدہ دنیا میں سکون واطمینان کس طرح حاصل ہوسکے گا؟

دولت وثروت، قدرت وطاقت، شہرت ومادہ کے پیچھے حصول اطمینان کے لئے دوڑنا سعی لاحاصل ہے۔ کیونکہ درحقیقت سکون واطمینان کا سرچشمہ تو خود ذات انسان کے اندر ہے جیسے کہ بدبختی وشقاوت کا منبع بھی اسی انسان کے اندر ہے مولائے کائنات فرماتے ہیں ؎

دَوَاؤُكَ فِيكَ وَمَا تَشْعُرُ + دَوَاؤُكَ مِنْكَ وَمَا تُبْصِرُ

(اے انسان) تیری دوا تو خود تیرے اندر موجود ہے مگر تو اس کا شعور نہیں رکھتا۔

تیری دوا خود تیرے اندر ہے مگر تو دیکھ نہیں سکتا۔

انسان کے باطنی طاقتوں کے بے پناہ ذخیرے سے یہ مقصد جس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے وہ مقتضیات خارجیہ سے کسی طرح بھی حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ تمام منابع رفاہیت خارجی اور تمام وسائل وذرائع اس راہ کے لئے بیکار ہیں۔ وقتی وجلد ختم ہوجانے والے ہیں یہ اسباب انسان کو منزل اطمینانِ کامل تک پہونچا ہی نہیں سکتے۔ صرف افکار کی دولت اور اخلاقی خصائص ہی جو "ناقابل زوال ہیں" اور صرف یہی چیزیں ہیں جو انسان کو زوال پذیر چیزوں کی طرف بھاگنے سے بچا سکتی ہے۔

یونان کا فلسفی اپکیتوس کہتا ہے : لوگوں کو یہ بتا دینا چاہئے کہ سعادت و نیکبختی ان جگہوں پر نہیں ہے جہاں لوگ اس کی تلاش میں مارے مارے پھرا کرتے ہیں. حقیقی سعادت قدرت و طاقت میں نہیں ہے. (اگر ایسا ہوتا تو) (میرو واقلیوس) اپنی انتہائی طاقت و قدرت کے باوجود خوشبخت کیوں نہ ہو سکے؟ اسی طرح تمول و مالداری میں بھی سعادت نہیں ہے کیونکہ (کرو سوس) اپنے بے شمار خزانوں کے باوجود سعادت مند نہیں ہو سکا. (اسی طرح) سعادت حکومتی اقتدار مل جانے اور سیاسی اختیارات حاصل ہو جانے میں بھی نہیں ہے. ورنہ بیزنطی خاندان کے تمام روم کے قیصر سب سے زیادہ خوش بخت ہوتے. اسی طرح سعادت عطیوں اور منزلتوں میں بھی نہیں ہے کیونکہ (نرو) اور (سارد ناپال) اور (آگامنن) ان تمام چیزوں کو اپنے اختیار میں رکھنے کے باوجود ہمیشہ آہ و زاری کیا کرتے تھے. گریہ و بکا میں مبتلا رہتے تھے. یہ لوگ برابر حوادث و اتفاقات کے شکار رہتے تھے اس لئے ہر انسان کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی حقیقی سعادت کو اپنی ذات اور اپنے ضمیر میں تلاش کرے !!

ہم کو اس تلخ حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہئے کہ فطرت کی بہت سی دلچسپ پہیلیوں کے حل اور عصر حاضر کے کثیر وسائل زندگی بھی ایسی حیات عطا کرنے پر قادر نہیں ہیں. جس میں قلق و اضطراب نہ ہو! صرف یہی نہیں کہ یہ چیزیں زندگی کے رنج و آلام کو کم نہ کر سکیں بلکہ بشری معاشرے کو تشویش، قلق، اضطراب تحفہ میں دے گئیں.

لہذا زندگی کے دائمی رنج والم سے دوری کے لئے، اور اس تیرہ و تاریک بادلوں کو دور کرنے کے لئے جو ہماری روح پر چھا گئے ہیں ہم روشن افکار کے ضرورت سے زیادہ محتاج ہیں. صرف وہی فکر "جو ہماری زندگی کی سب سے زیادہ فعال طاقت ہے، اور جس نے بشر کو مادی دنیا پر مسلط کر دیا ہے اور جس نے زندگی کے ہر شعبہ میں حیرتناک تغیر

پیدا کر دیا ہے" آسائش و آرام مہیا کر سکتی ہے. اور یہیں سے بشری زندگی میں فکر کا بنیادی نقش اور حیرت انگیز اثر ابھر کر سامنے آتا ہے

روشن فکری ایک جوش مارتا ہوا سمندر ہے جو انسان کو اس کی اعلیٰ مادی ضرورتوں تک پہونچانے کے بعد ایک دوسرے عالم کی معرفی کر سکتا ہے۔ بلند و برتر افکار ہی سمجھ دار انسان کو بے چینی کے تھپیڑوں سے نجات دلا سکتے ہیں۔ جس شخص کی فکری طاقتوں کو مضبوط بنیاد پر تربیت دی گئی ہو۔ اور وہ اس انسان میں مرکز ثقل بن گئی ہو وہی شخص تلخ و ناگوار حادثات کی چوکھٹ پر ایک مثبت فکری رویہ اختیار کر سکتا ہے۔ اور اس پر پہاڑ کی سی مضبوطی کے ساتھ قائم رکھ سکتا ہے۔

طوفانی حادثات سے بچنے کے لئے، اور کشتی حیات کو افراط و تفریط کے پرجوش موجوں سے بچانے کے لئے، ہم کو اپنے افکار پر کنٹرول کرنا ضروری ہے تاکہ وہ ہماری صحیح قیادت کر سکیں اور ہماری روحانی قوتوں کو اتنا منظم کر سکیں جس سے وہ طاقتیں اسباب قلق و اضطراب کی کلائی مروڑ سکیں. ایک مغربی دانشمند کہتا ہے:

شاید ہمارے بس میں یہ نہ ہو کہ ایسے دوست یا رفیق یا ایسے اشخاص کو ڈھونڈھ نکالیں جو اخلاقیات یا دوسرے اعتبار سے ہمارے مشابہ ہوں۔ لیکن یہ بہر حال ہمارے اختیار میں ہے کہ اپنے افکار کا انتخاب کر سکیں۔ کیونکہ مملکت عقل میں ہم ہی حاکم مطلق ہیں۔ عقل کے قلمرو میں ایسے مقتضیات و ظروف و موثرات یا دوسری چیزوں کا وجود نہیں ہے جو خارج کی دنیا سے متعلق ہوں اور ہم پر حاکم ہوں. یا ہم کو ایسے خیالات و افکار کے انتخاب پر مجبور کر سکتے ہوں جن کو ہم نہیں چاہتے ـــــ لہذا ہماری ذمہ داری ہے کہ ہمیشہ صحیح فکر اختیار کریں اور ہر ناقص فکر کو اپنے سے دور کریں۔ کیونکہ ہم ہمیشہ اسی طرف جاتے ہیں جدھر افکار ہم کو متوجہ کرتے ہیں ـــــ.

دوسری لفظوں میں یوں سمجھئے : یہ ہمارے افکار کی کارستانیاں ہیں کہ ہم کو جدھر چاہئے ہیں۔ لیجاتے ہیں اس لئے ہم کو بُری فکریں کرنی ہی نہیں چاہیئے اور اسی طرح جن چیزوں کو ہم ناپسند کرتے ہیں ان کی طرف عقل کو مشغول ہی نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہی افکار بد ہیں جو ہم کو اسیر بلا کرتے ہیں۔ ہم کو ہمیشہ کمال کی طرف سوچنا چاہیئے نہ کہ نقص کی طرف، ہم کو چاہیئے کہ اعلیٰ ترین امیدوں کی طرف اپنی عقل کو متوجہ کریں۔ اس لئے کہ ہر سعادت اور توفیق خیر کا دار مدار صرف فکر سلیم ہی پر ہے۔

●●●

(۲)

حسنِ ظن کے نتائج و ثمرات

مختلف بیماریوں کی وجہ سے جس طرح جسمانی نظام خراب ہو جاتا ہے اسی طرح بُری عادتوں اور بری صفتوں کی وجہ سے فکری اطمینان کا نظام بھی بگڑ جاتا ہے کیونکہ فکر بھی اپنی تمام تر رشدی طاقتوں کے باوجود "اخلاق" سے بے نیاز نہیں ہے۔ انسان کو نیک بختی کی لذت کا احساس اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اخلاق سے متصف ہو اور نشاط فکری و اخلاقی ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہوں۔ اس لئے انسان پر واجب ہے کہ اپنی قوت ارادی سے ان صفات کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکے جو اس کی زندگی پر ابر تیرہ و تار بن کر چھا گئے ہیں اور ان کی جگہ اطمینان و سکون کے بیج بو دے۔

فکری سکون کا ایک زبردست عامل دوسروں سے حسنِ ظن رکھنا بھی ہے اور جو شخص بھی میدان زندگی میں موجود ہے۔ اس کے لئے حسنِ ظن ایک قسم کی ضمانت و اطمینان ہے۔

برخلاف بدظنی کے کہ یہ فکری فعالیت کو کند کر دینے کے ساتھ کمال قدرت کے اظہار سے روک دیتی ہے۔ زندگی کی تاریک گلیوں میں روشنی کرنے والے چراغ کا نام حسن ظن ہے جسکے سایہ میں افقِ فکر کو وسعت اور انسانی محبت میں نشوونما ہوتی ہے۔ اور اس طرح اس کے نظریۂ حیات میں تبدیلی پیدا ہوجاتی ہے اور ایسے انسان کی نظر میں دنیا کا رنگ بہت ہی دلفریب ہوجاتا ہے اور پھر وہ تمام انسانوں کو روشنی میں دیکھتا ہے اور اسی لئے ان کی موافقت یا مخالفت میں بہت ہی واضح حکم لگا دیتا ہے۔ رنج وغم کے بادل چھٹ جاتے ہیں امیدوں کی دنیا بڑی خوش رنگ ہوجاتی ہے اور معاشرے سے اس کے ظاہری باطنی جذباتی روابط بہت ہی بہتر ہوجاتے ہیں۔

زندگی کے اندر آماجگاہ مشاکل میں حسنِ ظن جتنی قلت پیدا کرتا ہے اور کوئی بھی چیز ایسا نہیں کرسکتی اور جس کے اندر بھی یہ خوبی پیدا ہوجاتی ہے اس کے چہرے سے صرف خوشنودی ہی کی حالت میں نہیں بلکہ رنج وغم کی صورت میں بھی مسرت وخوشی پھوٹی پڑتی ہے اور منفی عوامل ودشواریوں میں بھی وہ اپنی صائب رائے اور قوت ارادی کے ذریعہ مشکلات کی گرہ کشائی پر قادر رہتا ہے۔ اور اس کی روح سے سکون واطمینان کے نور کی جھلک ہویدا رہتی ہے،

زندگی کے اندر مختلف اشخاص کے اعتماد کا حاصل کرنا بہت ضروری ہے اور اعتماد کرنے کے لئے لوگوں کی زندگی اور معاشرت میں حسنِ ظن کا دخیل ہونا واجبی چیز ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ڈائریکٹ افراد ومعاشرے پر اثرانداز ہوتی ہے۔ اعتماد یا عدم اعتماد معاشرے کے رشد یا شکست کا سبب بنا کرتا ہے۔ افراد کے درمیان میں روابط جتنے عمیق وزیادہ ہوں گے معاشرہ کی ترقی بھی زیادہ اور جلد ہوگی۔ لوگوں کے درمیان الفت وہمکاری واطمینان کی روح کا زیادہ وسیع ہونا معاشرے کے درمیان حسنِ ظن ہی کا ثمرہ ہوتا ہے ایک ایسی صلح آمیز زندگی جو دل کی گہرائیوں کے ارتباط کی بنیاد پر استوار ہو اس سے استفادہ

امکان پذیر ہوا کرتا ہے ـــــ اس کے برخلاف جس معاشرے میں حسن ظن کا وجود نہ ہو اور ہر شخص دوسرے کو شک و تردید کی نظر سے دیکھتا ہو وہاں نہ صرف یہ کہ سہکاری کے اصول کی مراعات نہیں ہوتی۔ بلکہ جزئی امور میں بھی الزام تراشی ہوا کرتی ہے اور ایسا معاشرہ ظاہری طور سے معاشرہ تو ہوتا ہے۔ لیکن اس کے اندر مفید و ثمر بخش نتائج کا فقدان ہوتا ہے۔ ایک محقق و دانشمند کا کہنا ہے: حسنِ ظن ایمان کی ایک ظاہری شکل ہے جب تک اس میں ایمان و امید کا وجود نہ ہوگا کوئی بھی کام انجام نہیں دیا جا سکتا۔

ایک شخص کا دوسروں پر اعتماد جتنا قوی ہوگا۔ دوسروں کا بھی اعتماد اس پر اتنا ہی قوی ہوگا اور یہ ایک ایسا عمل و ردعمل ہے جو بہر حال زندگی میں پیش آتا ہے البتہ یہ بات ضرور ذہن میں رکھنی چاہئے کہ حسن ظن اور جلدی اعتماد کر لینے میں بہت زیادہ فرق ہے کیونکہ حسنِ ظن کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان ناشناختہ افراد کی ہر بات کو فوراً تسلیم کر لے۔ بغیر کسی تحقیق و تفتیش کے ہر ایرے غیرے کی بات مان لے ـــ نیز حسن ظن کا دائرہ اتنا وسیع بھی نہیں ہے کہ مجرمین و علی الاعلان فسق کرنے والوں پر بھی لائق انطباق ہو۔ مختصر یہ کہ یہ ایک ایسا قاعدہ نہیں ہے جو استثناء بردار نہ ہو اور جو ہر حالت اور ہر وقت و ہر شخص پر قابل انطباق ہو۔ حسن ظن رکھنے والے کو لوگوں سے حسن ظن رکھنے کے باوجود اپنی دور اندیشی و ہوشیاری کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہئے بلکہ حسنِ ظن کے ساتھ ساتھ بہت محتاط رویہ رکھنا چاہئے۔

● ● ●

(۳)

اسلام حسنِ ظن کی تاکید کرتا ہے

اسلام نے اپنے پیروکاروں کے دلوں میں ایمان کی طاقت ایجاد کرکے ان کو خوش بینی واعتماد کی طرف رغبت دلائی ہے اور معاشرہ کو ایک ایسا مجتمع بنانا چاہا ہے جو سکون وآرام سے بھرپور ہو۔ حضرت رسول اکرمؐ کے اندر یہ صفت اتنی شدت کے ساتھ موجود تھی کہ منافقین نے اس کو غلط رنگ دے کر آپ کو ایک سادہ اور زود باور ثابت کرنے کی کوشش کی تھی جس کا تذکرہ خود قرآن میں ہے:

"وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ"

اور کہتے ہیں کہ رسولؐ تو بس کان ہی (کان) ہیں (اے رسولؐ) تم ان سے کہہ دو کہ (کان تو ہیں) مگر تمہاری بھلائی سننے کے کان ہیں کہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنین (کی باتوں کا) یقین رکھتے ہیں (پ ۱۰ س ۹ (توبہ۔ آیت ۶۱)

منافقین کی کوشش تھی کہ اس ممتاز صفت کو ایک مکروہ و نامرغوب صورت میں پیش کریں۔

اسلام نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ ایک دوسرے سے حسن ظن رکھا کریں۔ اور مومن کے عمل کی صحیح اور شرعی تفسیر کیا کریں یا اس کو فعل صحیح پر حمل کیا کریں۔ کسی بھی مسلمان کو کسی مسلمان کے فعل پر جب تک یقینی دلیل نہ ہو حمل بر فساد کرنے کا حق نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

اپنے برادر مومن کے کردار کی ہمیشہ بہترین توجیہ کیا کرو اور جب تک اس میں ایک بھی صحیح و درست احتمال ہو اس کے بارے میں بدگمانی نہ کیا کرو[1] خوش بینی اور حسنِ ظن کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں الفت و محبت پیدا ہوتی ہے۔

---

[1] جامع السعادات ج ۱ ص ۲۸

حضرت علیؑ مختصر سے جملہ میں حسنِ ظن کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
جو شخص لوگوں سے حسنِ ظن رکھے گا۔ نتیجہ میں ان کی محبت و دوستی کو حاصل کرے گا۔[1]
ڈاکٹر ماردن کہتے ہیں: آپ اپنے کو اس بات پر مجبور کیجئے کہ جس سے بھی ملاقات کریں اس کے صرف اچھے صفات اور خوش اخلاقی ہی کو دیکھیں۔ اور ان خوبیوں کو اپنے ذہن میں خوب بڑی سمجھیں اور اگر بہت باریک بینی کے ساتھ اپنی زندگی میں ان خوبیوں کو ذہن میں رکھئے تو آپ کی زندگی بہت اچھی طرح گزرے گی کیونکہ ہر شخص آپ سے صلح و صفائی رکھنا چاہے گا اور ہر شخص آپ سے اپنے روابط بڑھانا چاہے گا۔
بہت ممکن ہے کہ اگر آپ مجرمین سے خوش خلقی، حسنِ ظن اور اعتماد سے پیش آئیں تو ان کے کردار و رفتار میں بھی تبدیلی پیدا ہو جائے۔ مختصر یہ کہ یہ ایسی ممتاز صفت ہے جو لوگوں کے اندر اچھائیوں کی زمین ہموار کرتی ہے۔ حسن ظن و اعتماد لوگوں کو بد خلقی اور گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے۔[2]
ڈاکٹر ڈایل کارنگی کا بیان ہے: میں آخر میں ایک "ہوٹلوں کی کمیٹی" کے منیجر سے ملا یہ کمیٹی ۲۶ ہوٹلوں کو اپنے ایک مخصوص پروگرام کے ساتھ چلاتی تھی جس کا نام ان کمیٹی والوں نے "معاملۃ الشرف" رکھ رکھا تھا۔ یہ کمیٹی ۱۸۸۵ء میں تشکیل دی گئی تھی اس کے اراکین اپنے ہوٹلوں میں آنے والے مہمانوں کے سامنے کھانوں کی کوئی فہرست نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ اندر جا کر جو پسند کریں اس کا آرڈر دیدیں اور کھانے پینے کے بعد آپ خود ہی اپنی جگہ پر حساب کر کے اس کی جو قیمت مناسب سمجھیں نکلتے وقت خزانچی کو دیکر چلے جائیں۔ وہاں نہ آپ سے کوئی حساب پوچھے گا نہ کوئی آپ کی تلاشی لیگا۔
میں نے اس کمیٹی کے منیجر سے پوچھا: یقیناً کوئی مخفی طور سے آپ کا جاسوس ہوگا؟ کیونکہ ان ہوٹلوں میں آنے والے ہر گاہک سے قطعاً آپ لوگ مطمئن نہ ہونگے! منیجر نے کہا: جی نہیں گاہکوں پر ہم کسی بھی قسم کی نگرانی کو جائز نہیں سمجھتے۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ بطور عموم ہمارا یہ عمل صحیح ہے ورنہ نصف صدی

---

[1] غرر الحکم ص ۶۸۷ [2] غرر الحکم ص ۲۷۸۔

تک ہم اس کاروبار کو چلانے پر ہرگز قادر نہ ہو سکتے۔ ان ہوٹلوں میں آنے والے گاہک اس بات کو جانتے ہیں کہ ان کے ساتھ اشراف کا سا برتاؤ کیا جاتا ہے اسی لئے ہر گاہک چاہے وہ مالدار ہو یا فقیر، چور ہو یا گداگر اس کو ان ہوٹلوں سے کافی حسن ظن ہے ــــ مسٹر لاویس) جو ان معاملات میں بڑے تجربہ کار ہیں وہ کہتے ہیں: اگر آپ ایک بداخلاق و کینہ شخص سے بھی حسن اخلاق سے پیش آئیں اور اس کو اچھائی پر آمادہ کرنا چاہیں تو آپ اس شخص کو یہ احساس دلا دیجئے کہ آپ اس پر بھرپور اطمینان رکھتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ شریف و محترم قسم کے لوگوں جیسا برتاؤ کرنے لگیں تو آپ دیکھیں گے کہ اس کی بھی کوشش یہی ہوگی کہ آپ کو مطمئن کر دے۔ اور محض یہ ثابت کرنے کیلئے کہ آپ نے اس کے بارے میں جو نظریہ قائم کر رکھا ہے وہ صحیح ہے۔ وہ شخص اپنی پوری کوشش اس بات پر صرف کر دے گا کہ آپ نے اس کے بارے میں جو سوچا ہے وہ ٹھیک ہے اور اس کے لئے وہ اپنے میں تبدیلی کرنے پر مجبور ہو گا[1]

ڈاکٹر زیلبرٹ روبن کہتا ہے: بچوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو جیسے اس نے کوئی غلطی کی ہی نہیں ہے یعنی اس کی غلطیوں پر قلم فراموشی چلا دو۔ بلکہ بعض ایسے اہم امور جو بداخلاق لوگوں کے سپرد نہیں کئے جاتے اور نہ اس شخص کے سپرد کئے جاتے ہیں جو حفظانِ صحت کا خیال نہ رکھتا ہو ان کو بچوں کے اور اسی قسم کے لوگوں کے سپرد کر دو تو تم دیکھو گے کہ وہ اس ذمہ داری کی وجہ سے اپنے اندر ایک تبدیلی کر رہا ہے اور پھر وہ رفتہ رفتہ ذمہ داریوں کا اہل ہو جائے گا۔ اور بہت ممکن ہے کہ جن لوگوں کی اصلاح مقصود ہو ان کے ساتھ اگر اچھا برتاؤ کیا جائے اور ان پر اعتماد و بھروسہ کیا جائے تو ان کے اندر جو اصلاح کے موانع پیدا ہو گئے تھے اس برتاؤ سے برطرف ہو جائیں۔ اسی لئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ لوگوں کے اندر جو ناپسندیدہ افعال پائے جاتے ہیں وہ کسی نہ کسی ردِ عمل کا نتیجہ ہیں۔ اور اگر اس خلا کو پُر کر دیا جائے تو وہ شخص معاشرہ کی ایک مفید فرد بن سکتا ہے

---

[1] کتاب "کیف لا تکسب الاصدقاء"؟

سیریل برٹ نے شریر طبیعت کے اشخاص کی اصلاح کے لئے بڑے بڑے اچھے طریقے ایجاد کئے تھے۔ مثلاً اس شخص کا عقیدہ یہ تھا کہ جو بچے عام طور سے چوری کرتے ہوں ان کے پاس کچھ رقم بطور امانت رکھ دی جائے۔ یا جو شخص کاہل و سست ہو، کام چور ہو اس کے سپرد اسکے ذوق کے مطابق کوئی جسمانی کام دیدیا جائے [1]

لوگوں سے حسنِ ظن رکھنا سکون دل کا ذمہ دار ہے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: حسنِ ظن سکون دل اور سلامتیٔ دین کا سبب ہے [2]

حسنِ ظن زندگی کے غموں کا مداوا ہے۔ اور ناگوار حادثات کو آسان کرنے والا ہے، کیونکہ معصومؑ کا قول ہے: حسنِ ظن غم میں تخفیف پیدا کرتا ہے [3]

ڈاکٹر ماردن کہتا ہے: حسنِ ظن کے برابر کوئی چیز زندگی میں آسائش نہیں دے سکتی۔ یہی چیز غموں میں تخفیف پیدا کرتی ہے۔ توفیق میں اضافہ کرتی ہے۔ آپ جس طرح بیماری اور خطرناک عوارض سے وحشت زدہ رہتے ہیں۔ اسی طرح غم آور افکار سے بھی وحشت زدہ رہئے اپنے فکر کے دروازے کو اچھے خیالات کے لئے کھول دیجئے۔ اس طریقہ کو اپنانے کے بعد آپ دیکھیں گے کہ رنج و غم کے سیاہ بادل کس طرح چھٹ جاتے ہیں [4]

مسلمانوں کا آپسی برتاؤ اس طرح کرنا چاہئے کہ معاشرہ میں کہیں سے بدگمانی کا اثر نہ ہونے پائے۔ حضرت امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں: دوسروں کے ساتھ حسنِ ظن کا برتاؤ کرو۔ اور اگر دوسرے لوگ تم سے حسنِ ظن رکھتے ہیں تو ایسا کام نہ کرو جس سے ان کا یہ حسنِ ظن ختم ہو جائے اور وہ تمہارے بارے میں بدگمان ہو جائیں۔ جو شخص اپنے دل میں تمہاری طرف سے خوش فہمی میں مبتلا ہو اور تم سے نفع کی امید رکھتا ہو خبردار اپنے رفتار و کردار کے ذریعہ اس کے حسنِ ظن کو بدگمانی سے نہ بدلنے دو [5]

---

[1] مجموعۂ چہ میدانم [2] غرر الحکم ص ۲۷۶ [3] غرر الحکم ص ۲۷۷ [4] کتاب پیروزی فکر [5] غرر الحکم ص ۶۸۰

لوگوں کے بارے میں حسنِ ظن یا بدگمانی کو عقل و خرد کے لئے میزان قرار دیا گیا ہے ارشاد معصوم ہے: انسان کا ظن و گمان عقل و خرد کا ترازو اور اسکی سچائی اور اس کا کردار اس کی پاکیزگی یا کمینگی کا معیار ہے [1]

بُرے خیالات پر ترتیب اثر نہ دینا۔ اور اس کے پیچھے نہ بھاگنا روحانی طاقت اور سکون دل کا باعث ہے چنانچہ منقول ہے: جو شخص اپنے برادر مومن کے بارے میں بدگمانی کی تکذیب کردے وہی عقل صحیح اور سکون قلب کا مالک ہے [2]

ساموئل اسمایلز کہتا ہے: یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ جس کی فطرت قوی اور روح بزرگ ہوتی ہے۔ وہ طبعی طور سے خوش رہتا ہے۔ اور زندگی میں اچھائیوں کی تمنا کرتا ہے اور وہ ہر شخص و ہر چیز کیطرف اطمینان و بھروسہ کی نظر ڈالتا ہے۔ عقلمند حضرات ہمیشہ ابر تیرہ و تار کے پیچھے چمکتا ہوا سورج دیکھتے ہیں۔ اور ہر بدبختی و پریشانی کے پیچھے سعادت دیکھتے ہیں۔ اور اس کے لئے کوشش کرتے ہیں اس لئے وہ ہر رنج و مصیبت پر اپنے اندر ایک نئی امنگ پاتے ہیں اور ہر حزن و غم سے وہ اپنے اندر ایک نئی جرأت و قوت کا احساس کرتے ہیں ایسی طبیعت رکھنے والا شخص یقیناً سعید و نیک بخت ہے اور اس کے دوستوں کو اس پر رشک کرنا چاہئے۔ ایسے لوگوں کی آنکھوں میں خوشیاں رقص کرتی رہتی ہیں۔ اور وہ ہمیشہ مسکراتے رہتے ہیں۔ ان کے دل سورج کی طرح چمکتے رہتے ہیں وہ ہر چیز میں اچھائی دیکھتے ہیں اور ہر چیز کو واضح، صاف، روشن و چمکدار دیکھتے ہیں اور تبہرین رنگ سے منوّر دیکھتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ حسن ظن کو مومن کا حق فرماتے ہیں: برادر مومن کا ایک برادر مومن پر حق یہ ہے کہ اس کی باتوں کی تصدیق کرے اس کی تکذیب نہ کرے [3]

حسن ظن کے پیدا ہونے کا سب سے اہم ترین سبب ایمان ہے۔ اگر لوگوں کا ایمان

---

[1] غرر الحکم ص ۲۷۲، [2] غرر الحکم ص ۶۷۲ [3] اصول کافی ص ۱۲۷

کامل ہو تو وہ قہری طور پر ایک دوسرے پر اطمینان کریں گے۔ اور بے ایمانی ایک جان لیوا درد ہے جو لوگوں سے حسنِ ظن کو سلب کر کے اس کی جگہ بدگمانی کو جنم دیتی ہے ایک واقعی و سچے مسلمان کا دل خدا پر ایمان و اعتماد سے بھرپور ہوتا ہے جس وقت بھی وہ ناتوانی کا احساس کرتا ہے فوراً اپنے سے بالاتر قدرت پر بھروسہ کرتا ہے۔ اپنی دشواریوں میں اس خدائے بزرگ پر اعتماد کرتا ہے جو تمام بڑی طاقتوں کا منبع ہے اور اسی سے مدد مانگتا ہے۔ اور یہی چیز اس کے اخلاق و روح کو مہذب بنانے میں بڑا عمیق اثر رکھتی ہے۔

● ● ●

(۳)

بدگمانی

① زندگی کے روشن و تاریک پہلو

② بدگمانی کے نقصانات

③ بدگمانی سے اسلام کا مقابلہ

(۱)

زندگی کے روشن و تاریک پہلو

انسانی زندگی راحت و تکلیف سے عبارت ہے۔ ان میں سے ہر ایک انسان کی کوتاہ و محدود زندگی پر سایہ فگن ہے ہر شخص اپنے مقسوم کے مطابق ان دونوں سے دوچار ہوتا ہے اور اسی تلخ حقیقت کے مطابق انسان راحت و الم کے درمیان اپنی پوری زندگی گزار دیتا ہے۔

یہ تو ہمارے امکان سے باہر کی بات ہے کہ اس ناموس ابدی میں کوئی تغیر کر دیں اور اپنی مرضی کے سانچہ میں اس کو ڈھال لیں۔ لیکن بہرحال ممکن ہے کہ زندگی کی حقیقت کو جان لینے کے بعد اس زندگی کے خوبصورت موجودات کی طرف اپنی نظروں کو موڑ دیں۔ اور اس کے بدشکل موجودات کی طرف سے اپنی نظروں کو ہٹا لیں۔ یا اس کے برعکس اشیاء کے روشن و درخشندہ پہلوؤں کو بھول کر ان کے سیاہ و تیرہ و تار پہلوؤں کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ مختصر لفظوں میں یوں سمجھئے کہ ہر شخص کے پاس اتنی قدرت ہے کہ اپنی فکر کو ان دونوں میں سے کسی ایک طرف مرکوز کر دے۔ اور اپنی دنیا کو اسی رنگ میں رنگ لے جس کی طرف اس کا میلان ہے۔

ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسی ناملائم چیزیں جو زندگی کے لئے سدراہ بنتی ہوں ان سے مقابلہ کرنے کے لئے اپنی بردباری کو محفوظ کر لیں۔ ورنہ پھر ہم ایسی خارتوں سے دوچار ہوں گے جن کا جبران ممکن نہ ہوگا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حادثات کے مقابلہ میں ہم سرنگوں ہو جائیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے اگر زندگی کے حادثات اس طرح نہ ہوتے جیسے کہ ہیں تو ہم سب سعید و نیک بخت ہوتے لیکن یہ تصور غلط ہے کیونکہ ہماری بدبختیوں کا ڈانڈا حادثات زندگی سے نہیں ملتا۔ بلکہ ہماری شقاوت و بدبختی کا دارمدار حادثات سے کس طرح نمٹنے پر موقوف ہے۔ کیونکہ یہ ممکن

ہے کہ عوامل خارجی کے اثرات کو انسان اپنے دل وجان، اپنی روح کی طاقت سے بدل دے اور اس طرح کسب توفیق کر لے۔

ایک مشہور رائٹر لکھتا ہے: ہمارے افکار کا دار مدار ناراضگی پر ہے۔ ہم چاہے جس حالت میں ہوں چاہے جس صورت میں ہوں ناراض رہتے ہیں۔ اور شکوہ برلب رہتے ہیں۔ یہ گریہ وزاری، شکوہ وشکایت ہمارے خمیر میں ہے۔ انسانی وجود کی تخلیق کچھ اس طرح ہوئی ہے کہ ہمیشہ روحانی وجسمانی نامناسب چیزوں سے رنج وعذاب میں گرفتار رہتا ہے ہر روز ایک نئی آرزو کا اسیر رہتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات تو اس کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کیا چاہتا ہے؟ اور کس چیز کی تمنا رکھتا ہے۔ انسان خیال کرتا ہے کہ خوش بختی تو دوسروں کے پاس ہے (میں تو بہت ہی بدبخت ہوں) لہذا ان سے رشک کرتا ہے اور اپنے کو تکلیف میں مبتلا کرتا ہے۔ انسانی وجود ایک ایسے بچے کے مانند ہے جو ہمیشہ بہانے بنایا کرتا ہے۔ بداخلاق ہے بے حوصلہ ہے اس بچہ کی گریہ وزاری، نالہ وفغاں سے ہم ہمیشہ سوز وگداز میں مبتلا رہتے ہیں۔ ہماری آزادی و آسائش صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب اس بچہ کو حقیقت کے دیکھنے پر آمادہ کریں۔ اور اس قسم کی بیہودہ خواہشات سے اس کو روک دیں۔ اس بچہ کی آنکھیں جو بے حساب خواہشات کی وجہ سے برائی کے علاوہ کچھ بھی نہیں دیکھ پاتیں انکو اچھائیوں کے دیکھنے پر وادار کریں، اس بچہ کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس باغ زندگی میں ہر آنکھ والا اپنے دامن کو پھولوں سے بھر لیتا ہے اور اندھا سوائے کانٹوں کے کچھ بھی نہیں حاصل کر پاتا۔ اگر ہم اپنی کم حوصلگی و بدگمانی ہی کے راستہ پر نہ چلیں۔ اور نگاہِ تحقیق سے دیکھیں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ ہر زمانہ اور ہر عہد میں۔ بلکہ اس زمانہ میں بھی جب کہ دنیا ہولناک گرداب میں پھنس چکی ہے اور ہماری زندگی ہر وقت زیر وزبر رہتی ہے اور ہر وقت اچھائی وبرائی سے دوچار ہونا پڑتا ہے "ہم باغ زندگی میں ہر جگہ گلہائے زیبا کو چشم بینا سے دیکھ سکتے ہیں۔

انسان کی سعادت و نیکبختی میں اس کے افکار کو کافی دخل ہے بلکہ انسانی سعادت کا اکیلا مؤثر صرف اس کی عقل اور فکر ہے، بدگمان شخص کی نظر میں غیر معمولی حادثہ بہت ہی عظیم ہوتا ہے اس کی کمر کو توڑ دیتا ہے بدگمان شخص اس کو برداشت نہیں کر پاتا۔ لیکن حسن ظن رکھنے والا شخص جو صرف زندگی کے روشن پہلوؤں کو دیکھنے کا عادی ہے اور بدی کی جگہ ہمیشہ نیکی پر عقیدہ رکھتا ہے وہ ان مصائب و آلام کے مقابلہ میں جن سے زندگی میں اجتناب ممکن نہیں ہے سر تسلیم خم کر دیتا ہے انتہا یہ ہے کہ دشوار ترین مصائب کے وقت بھی وہ مقاومت کرتا ہے اور متانت و بردباری کے راستہ سے خارج نہیں ہوتا۔

جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان ہی کی ذات بدبختی کا محور ہے وہ اپنی زندگی شکنجوں سے بھری ہوئی اور تاریک گزارتے ہیں۔ اور ضرورت سے زیادہ حساسیت کی بنا پر مصائب و آلام کے مقابلہ میں اپنی طاقت کو بیکار خرچ کر کے تباہ کر دیتے ہیں۔ اور دنیا کی ان نعمتوں سے اور برکتوں سے جو لوگوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے بے خبر و غافل رہتے ہیں۔

ایک دانشمند کہتا ہے: دنیا لوگوں کے ساتھ وہی برتاؤ کرتی ہے جو لوگ جو اس کے ساتھ کرتے ہیں وہ بالکل برابر کا معاملہ کرتی ہے اگر آپ اس کے سامنے ہنسیں گے تو وہ بھی ہنسے گی۔ اور اگر آپ اس کے سامنے چیں بہ جبیں ہونگے تو وہ بھی ترش روئی سے پیش آئے گی۔ اگر آپ فکر کریں گے تو وہ آپ کو مفکرین کی فہرست میں شامل کر دیگی۔ اگر آپ سچے و رحم دل ہونگے تو آپ اپنے ارد گرد ایسے لوگوں کو دیکھیں گے جو آپ سے خلوص رکھتے ہونگے آپ سے محبت کرتے ہونگے۔ آلام و مصائب بظاہر چاہے جتنے تلخ و ناگوار ہوں لیکن روح کو اپنے مخصوص ثمرات دیتے رہتے ہیں۔ کیونکہ روحانی طاقتیں آلام کی گھٹاٹوپ تاریکی میں مزید روشن و متجلی ہوتی ہیں۔ اور انھیں دار و گیر مصائب و آلام فداکاری و قربانی کے مراحل سے گزرتی ہوئی انسانی کمالات کی چوٹی پر پہونچ جاتی ہیں۔

● ● ●

(۲)

بدگمانی کے نقصانات

بدگمانی ایک بہت ہی خطرناک قسم کی روحانی بیماری ہے اور بہت سی ناکامیابیوں اور مایوسیوں کا سرچشمہ ہے۔ یہ ایک ایسی بیماری ہے جو انسان کی روح کو عذاب دائم میں مبتلا کر دیتی ہے اور اسکے بُرے اثرات انسانی شخصیت سے ناقابل محو ہوا کرتے ہیں رنج و غم ہی وہ مرکز احساس ہے جہاں سے ممکن ہے بدگمانی کا آغاز ہوتا ہو اور احساسات و جذبات میں ایک شدید انقلاب و طوفان کا سبب بنتا ہو۔ بدگمانی کا بیج جو اس راہ گزر سے مزرعۂ قلب میں بویا جاتا ہے وہ انسانی افکار و اندیشوں پر ناگوار و تلخ اثرات مرتب کرتا ہے۔ جس کا آئینۂ روح بدگمانی کے غبار سے کثیف و تاریک ہو چکا ہو اس میں محض یہی نہیں کہ آفرینش کی خوبیاں و زیبائیاں اجاگر نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ سعادت و خوش بختی اپنی صورت بدل کر ملال و کبت بن کر ظاہر ہوتی ہے اور ایسا شخص کسی بھی شخص کے کردار و افکار کو بے غرض تصور نہیں کر سکتا۔ اس قسم کے اشخاص کی روحانیت چونکہ منفی ہے اس لئے ان میں مثبت قوت مفقود ہوتی ہے۔ اور ایسے لوگ اپنے افکار بد سے اپنے لئے مشکلات پیدا کر لیتے ہیں۔ اور اپنی نیرو و طاقت کو ایسے حادثات میں غور و فکر کر کے تباہ و برباد کر لیتے ہیں جن سے شاید ان کا زندگی میں کبھی سابقہ بھی نہ پڑے۔

جس طرح حسن ظن رکھنے والے شخص کی طاقت اس کے اطرافیوں میں اثر انداز ہوتی ہے اور وہ شخص اپنے آس پاس کے لوگوں کی روح امید کو طاقت بخشتا ہے اسی طرح بدگمان شخص اپنے آس پاس کے لوگوں کے دلوں میں رنج و غم کی کاشت کرتا ہے اور لوگوں کے اس چراغ امید کو خاموش کر دیتا

ہے جو زندگی کے پیچ و خم میں خوفشاں رہتا ہے۔

بدگمانی کے بُرے اثرات صرف روح تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ جسم پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس کی بیماریوں کا علاج مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک عظیم طبیب کہتا ہے: جو شخص ہر ایک سے بدگمانی رکھتا ہو اور ہر چیز کے بارے میں غلط نظریہ رکھتا ہو اس کا علاج کرنا اس سے کہیں زیادہ مشکل ہے جتنا دریا میں خودکشی کی نیت سے چھلانگ لگانے والے کو بچانا مشکل ہے۔ جو شخص ناراضگیوں اور ہیجان کے درمیان زندگی بسر کرتا ہو اس کو دوا دینا ایسا ہی ہے جیسے کھولتے ہوئے روغن زیتون میں پانی ڈالنا اس لئے کہ دوا کا اثر مرتب ہونے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ بیمار کی روح دارائے اعتماد ہو اور وہ اپنے سکونِ فکر کی حفاظت کر سکتا ہو۔

بدگمان شخص کے اندر کنارہ کشی دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنے سے اجتناب کے اثرات باقاعدہ مشاہدہ کئے جا سکتے ہیں اور اسی ناپسندیدہ عادت کے تحتِ تاثیر وہ شخص اپنے اندر استعدادِ ترقی کو کھو بیٹھتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ناپسندیدہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے خودکشی کی ایک علت فکر و روح پر بدگمانی کا مسلط ہو جانا بھی ہے اور اس قسم کے ناقابل بخشائش گناہ کا ارتکاب اسی وجہ سے کیا جاتا ہے۔

اگر آپ اپنے معاشرہ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ لوگ جو ایک دوسرے کے بارے میں گفتگو کیا کرتے ہیں وہ سب بغیر مطالعہ بغیر غور و فکر اور بدگمانی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ ان کی قوت فیصلہ بھی کمزور ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی صحیح و اطمینان بخش تشخیص سے پہلے اپنا حتمی فیصلہ دیدیتے ہیں۔ اور ایسے لوگ بلا تصور کی تصدیق کے قائل ہوتے ہیں۔ اور کبھی ان کی گفتگو میں شخصی غرض بھی نمایاں ہوتی ہے اور یہی سب سے بڑا وہ عیب ہے جسکی وجہ سے رشتۂ الفت و محبت ٹوٹ جاتا ہے۔ اتحاد قلبی ختم ہو جاتا ایک دوسرے پر اعتماد کا سلسلہ نابود ہو جاتا ہے ان کے اخلاقیات تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔

بہت سی ایسی عداوتیں اور دشمنیاں جن کا نقصان افراد و اجتماع کے لئے ناقابل جبران ہوتا ہے. وہ ان خلاف واقع بدگمانیوں کی پیداوار ہوتی ہیں. معاشرے کے مختلف طبقات میں بدگمانی رخنہ اندازی کرتی ہے. انتہا یہ ہے کہ یہ بدگمانی دانشمندوں اور فلسفیوں کو بھی متاثر کر دیتی ہے ہر قوم و ملت کے مختلف ادوار میں ایسے دانشمند پیدا ہوئے ہیں کہ اسی بدگمانی کی وجہ سے ان کے طرز تفکر میں گہری تاریکی پائی جاتی ہے۔ اور یہ حضرات علم و دانش کے سہارے ہمیشہ جامعۂ بشریت کی خدمت کرنے کے بجائے نظامِ آفرینش میں نقد و تبصرہ کر کے اسی کی عیب جوئی کرتے رہے ہیں اور اس طرح ان لوگوں نے اپنے مسموم افکار غلط منطق کے ذریعہ معاشرے کی روح کو مسموم بنا دیا. اور مبادی اخلاق بلکہ مبادئ عقائد کو بھی مورد استہزاء بنا دیا۔ اور بعض فلسفیوں میں بدگمانی اتنی شدید ہو گئی تھی کہ انھوں نے انسانی آبادی کی بڑھتی ہوئی تعداد سے اور فقر و فاقہ کے خوف سے وحشت زدہ ہو کر انسانی نسل کو محدود کرنے کے لئے ہر چیز کو جائز قرار دیدیا. یہاں تک کہ انسانی آبادی کو کم کرنے کے لئے وحشیانہ قتل و غارتگری خونریزی کو بھی جائز قرار دیدیا تھا. ظاہر سی بات ہے کہ اگر دنیا کے لوگ ان کے زہریلے خیالات پر عمل کرتے تو آج اس روئے زمین پر علم و تمدن کا کوئی وجود بھی نہ ہوتا ــــ

انھیں بدگمان فلسفیوں میں ایک شخص ابوالعلاء معری نامی تھا کہ جس کے تمام تر افکار اسی بدگمانی کے محور پر گھوما کرتے تھے اور وہ زندگی کو عذاب سمجھتا تھا. نسل بشر کو ختم کرنے کے لئے اس نے شادی بیاہ پیدائش اولاد کو حرام قرار دیدیا تھا. کہا جاتا ہے جب اس کے مرنے کا وقت قریب آیا تو اس نے وصیت کی کہ میرے لوح مزار پر یہ جملہ کندہ کرا دیا جائے:

یہ قبر میرے باپ کے ان جرائم میں سے جو اس نے مجھ پر کیا ہے ایک نشانی ہے.
لیکن میں نے کسی پر کوئی جرم نہیں کیا ہے!

● ● ●

(۳)

بدگمانی سے اسلام کا مقابلہ

قرآن مجید نے بدگمانی کو بہت بڑا گناہ شمار کیا ہے اور مسلمانوں کو اس بات سے روکا ہے کہ ایک دوسرے کے بارے میں بدظنی کریں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ

اے ایماندارو! بہت سے گمان (بد) سے بچے رہو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے (پ ۲۶ ع ۹ سورہ حجرات آیۃ ۱۲)

دین اسلام نے لوگوں کو بغیر کسی قطعی دلیل کے بدگمانی کرنے سے روکا ہے۔ رسولخداؐ کا ارشاد ہے: مسلمانوں کی تین چیزیں تم پر حرام ہیں (۱) خون (۲) مال (۳) بدگمانی[1] جسطرح کسی مدرک و دلیل کے بغیر کسی کے مال کو دوسرے کیطرف منتقل کئے جانے کا حکم غیر شرعی ہے اسی طرح لوگوں کے بارے میں بدگمانی کرنا بھی حرام اور غیر شرعی فعل ہے اور اصل قضیہ کے ثابت ہونے سے پہلے کسی کو متہم کرنا جائز نہیں ہے۔ حضرت علی کا ارشاد ہے:

صرف بدگمانی کی بنا پر کسی کے خلاف حکم لگا دینا ناانصافی ہے[2] حضرت علیؑ نے بدگمانی کے نقصانات، نفسیاتی بیماریاں، روحانی مفاسد بڑی جامع و بدیع انداز میں بیان فرمایا ہے:

خبردار! کسی سے بدگمانی نہ کرو کیونکہ بدگمانی عبادت کو فاسد اور گناہ کے بوجھ کو زیادہ کرتی ہے[3] نیک لوگوں سے بدگمانی ان کے حق میں ظلم و بے انصافی ہے چنانچہ ارشاد مولائے کائنات ہے:

---

[1] ترمذی کتاب البر باب ۱۸، ابن ماجہ کتاب الفتن باب ۲، صحیح مسلم کتاب البر باب ۳۲، مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۷ و ج ۳ ص ۴۹۱

[2] نہج البلاغہ مترجم ص ۱۷۴۔ [3] غرر الحکم ص ۱۵۴

نیک شخص (محسن) کے بارے میں بدگمانی بدترین گناہ اور قبیح ترین ظلم ہے [1] دوستوں سے بدگمانی قطع روابط اور دوستی والفت کے ختم ہونے کا سبب ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: جس کے دل پر بدگمانی کا غلبہ ہوجاتا ہے اس کے اور اس کے دوستوں کے درمیان صلح وصفائی کی گنجائش باقی نہیں رہتی [2]

بدگمانی جس طرح انسان کے اخلاق وزندگی کو برباد کرتی ہے اسی طرح دوسروں کے اخلاقیات وروح کو خراب کردیتی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جن لوگوں کے بارے میں بدگمانی کی جائے ان کے اخلاقیات صراط مستقیم سے منحرف ہوجائیں۔ اور وہ لوگ فساد ورذائل میں مبتلا ہوجائیں جیسا کہ حضرت علیؑ نے فرمایا: بدگمانی بہت سے امور کو فاسد کردیتی ہے اور برائیوں پر آمادہ کرتی ہے [3]

ڈاکٹر ماردن کہتا ہے: بہت سے ایسے نوکر ہیں۔ جن کے مالک ان سے ہمیشہ بدگمان رہتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ یہ ملازمین چور ہیں۔ ایسے نوکر آخر کار چوری کرنے لگتے ہیں۔ اور اس قسم کی بدگمانی کا چاہے ہاتھ وزبان سے اظہار بھی نہ کیا جائے۔ پھر بھی وہ اپنی بری تاثیر چھوڑتی ہے اور اس کی روح مسموم ہوجاتی ہے۔ اور اس کو چوری پر ورغلانے لگتی ہے [4]

حضرت علیؑ اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں: کہیں تم (اپنی بیوی سے بدگمانی کی بنا پر) اپنی غیرت کا اظہار نہ کر بیٹھو۔ کیونکہ یہ بات صحیح آدمی کو برائی پر اور بے گناہ کو گناہ پر آمادہ کرتی ہے [5]

بدگمانی کرنے والا شخص کبھی اپنے جسم وروح کی سلامتی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؑ نے فرمایا ہے، بدگمان شخص کو تندرستی وآرام نصیب نہیں ہوتا [6]

ڈاکٹر مارل اس سلسلہ میں کہتا ہے: (انسان کی) بعض عادتیں اس کی عمر کو کم کردیتی ہیں مثلاً ہر چیز پر تنقید کی عادت، ہر شئی سے بدگمانی کی عادت! کیونکہ یہ منفی نفسیاتی عادت،

[1] غرر الحکم ص ۴۳۶ . [2] غرر الحکم ص ۶ [3] غرر الحکم ص ۴۲۳

[4] پیروزی فکر، [5] غرر الحکم ص ۱ [6] غرر الحکم ص ۸۲۵

Cultural Affairs Of
Astan Quds Razavi
International Relations
P.O.Box:91375-3131
Mashhad, I.R.IRAN

اعصاب اور داخلی غدود کو متاثر کر دیتی ہے۔ اور اس کا نتیجہ کبھی عملی اختلال کی صورت میں اور کبھی جسمانی نقصان کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے [1]۔

ڈاکٹر ماردن کا کہنا ہے، بدگمانی صحت کو خراب کر دیتی ہے۔ پیدائشی قوتوں کو کمزور کر دیتی ہے اور ایک متوازن روح کسی برائی کا کبھی انتظار نہیں کرتی۔ مثلاً ہمیشہ اس کی یہی آرزو رہتی ہے کہ نیکیوں سے روبرو رہے۔ کیونکہ اسے معلوم ہے نیکی ایک حقیقت ابدی ہے۔ اور بدگمانی اچھی طاقتوں کے کمزور کر دینے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ جیسے تاریکی فی نفسہ کوئی مستقل چیز نہیں ہے بلکہ عدم نور کا نام تاریکی ہے۔ لہٰذا نور کی تلاش میں دوڑو! نور دل سے تاریکی کو ختم کر دیتا ہے [2]

بدگمان شخص لوگوں سے وحشت کرتا ہے جیسا کہ حضرت علیؑ نے فرمایا: جو حسنِ ظن نہیں رکھتا وہ ہر ایک سے وحشت کرتا ہے [3]

ڈاکٹر فارمر کہتا ہے: جس مجلس میں ہر شخص اپنی رائے اور اپنے نظریہ کو بیان کر رہا ہو اس میں اگر کوئی شخص صریحی طور سے اپنی فکر و نظر کے اظہار سے ڈرتا ہو اور جو شخص وسیع و چوڑی سڑکوں کو چھوڑ کر تنگ و تاریک گلیوں میں اس خوف سے راستہ چلتا ہو کہ کہیں چوڑی سڑکوں پر یا عمومی تفریح گاہوں میں اپنے کسی رشتہ دار سے ملاقات نہ ہو جائے! یہ سب لوگ یا تو واہمہ کے شکار ہیں یا پھر ان کی روح پر بدگمانی مسلط ہے [4]

بدگمانی کی علتوں میں سے ایک علت ماضی کی تلخ یادیں بھی ہیں جو انسان کے اندر چھپی ہوتی ہیں۔ اور انسان کو بدگمانی پر آمادہ کرتی ہیں ــــ ایک اردو کا شاعر کہتا ہے ؎

یادِ ماضی عذاب ہے یارب + چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

انھیں ماضی کی تلخ یادوں نے شاعر کو اس شعر پر آمادہ کر دیا ــــ حضرت علی کا ارشاد ہے: انسان کے دل کی گہرائیوں میں ایسی تلخ یادیں اور برائیاں پوشیدہ ہیں جن سے عقل فرار

---

[1] راہ رسم زندگی۔ [2] پیروزی فکر [3] غرر الحکم ص ۱۲، [4] راز خوش بختی۔

کرتی ہے [1]

ڈاکٹر ہیلین شاختر کہتا ہے: جن لوگوں کو اپنی ذات پر اطمینان و بھروسہ نہیں ہوتا وہ معمولی سے رنج و الم سے متأثر ہو جاتے ہیں اور ان تکلیفوں کی یادیں ان کے دلوں میں غیر شعوری طور سے باقی رہ جاتی ہیں جو ان کے افعال و اقوال، اعمال و افکار کو متأثر کر دیتی ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ لوگ سخت مزاج، غمگین اور بدگمان ہو جاتے ہیں اور ان کو پتہ نہیں چل پاتا کہ آخر وہ ان روحانی امراض کے کیونکر شکار ہو گئے۔ کیونکہ تلخ یادیں ہمارے تحت الشعور میں مخفی رہ جاتی ہیں اور آسانی سے ظاہر نہیں ہوتیں۔

دوسرے الفاظ میں یہ عرض کروں کہ انسان فطرتاً اپنی تلخ یادوں سے فراری ہوتا ہے۔ اس کو قطعاً یہ بات پسند نہیں ہوتی کہ ان یادوں کو خزانہ حافظہ سے نکال کر نظروں کے سامنے رکھے۔ لیکن یہ پوشیدہ دشمن اپنی کینہ توزی سے دست کش نہیں ہوتا۔ ہمارے اخلاق، ارواح، اعمال کو اپنے حسب منشاء ابھارتا رہتا ہے۔ چنانچہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنے سے اور دوسروں سے ایسے اعمال سرزد ہو جاتے ہیں یا ایسی گفتگوئیں سننے میں آتی ہیں جو بظاہر بے سبب ہوتی ہیں اور باعثِ کمال تعجب ہوتی ہیں۔ لیکن اگر ہم ان کی کھوج میں لگ جائیں تو پتہ چلے گا کہ یہ انھیں تلخ یادوں کی دین ہے جو ہمارے تحت الشعور میں پوشیدہ تھیں۔ [2]

پست فطرت لوگ اپنی ذات کو دوسروں کی طبیعتوں کا پیمانہ سمجھتے ہیں اور اپنی برائیوں کا عکس دوسروں میں دیکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے اس سلسلہ میں نہایت عمدہ بات فرمائی ہے ارشاد فرماتے ہیں: بدطینت شخص کسی کے بارے میں حسن ظن نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ دوسروں کا قیاس اپنی ذات پر کرتا ہے [3]

ڈاکٹر مان اپنی کتاب "اصول روانشناسی" میں کہتا ہے: اپنی ذات کے دفاع میں ردعمل کی

---

[1] غرر الحکم ص ۲۹ [2] رشد شخصیت [3] غرر الحکم ص ۸۰

ایک قسم یہ بھی ہے کہ ساری برائیوں، برے خیالات کو دوسروں کے سر تھوپ دیا جائے تاکہ اپنا نفس جو قلق و اضطراب میں مبتلا ہے اس سے چھٹکارا حاصل کرلے۔ قیاس برنفس کی یہ بدترین قسم ہے۔ اور جب اس قسم کا دفاع اپنے آخری مرحلہ پر پہونچ جاتا ہے۔ تو پھر وہ شخص نفسیاتی مریض ہوجاتا ہے۔ اس قسم کا دفاع کبھی کسی جرم کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم کسی جرم کا ارتکاب کرتے ہیں تو ہمارے اندر یہ احساس جاگ اٹھتا ہے اور ہم اپنے نفس سے دفاع کے لئے اسی قسم کا جرم دوسروں کے لئے ثابت کرنے لگتے ہیں۔ [1]

حضور سرور کائناتؐ جب مدینہ منورہ پہونچے تو مدینہ والوں میں سے ایک شخص پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں مشرف ہوکر بولا! اے رسولؐ خدا یہاں کے لوگ بہت اچھے اور بہت نیک ہیں یہ کتنی اچھی اور مناسب بات ہے کہ سرکار یہاں قیام پذیر ہوئے! پیغمبر اسلام نے اس سے فرمایا: تم نے صحیح بات کہی ہے۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک دوسرا شخص (وہ بھی مدینہ ہی کا تھا) آیا اور اس نے کہا: اے خدا کے رسولؐ یہاں کے لوگ بہت ہی پست و فرومایہ ہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ جیسی عظیم شخصیت ان لوگوں کے درمیان میں سکونت اختیار کرے رسولؐ خدا نے اس سے بھی فرمایا: تم سچ کہتے ہو!

ایک صحابی بھی وہاں پر تشریف فرما تھے آنحضرتؐ کے دو متضاد قولوں پر تصدیق کرنے سے بہت متعجب ہوئے اور ان سے رہا نہ گیا پوچھ ہی لیا: حضورؐ آپ نے دونوں کی تصدیق کردی حالانکہ دونوں کے قول متضاد تھے؟

رسولؐ خدا نے فرمایا: ان دونوں نے اپنی اپنی ذات پر قیاس کرتے ہوئے کہا تھا۔ جس کے اندر جو صفتیں تھیں اس نے اسی کے مطابق بات کی انھوں نے جیسا تصور کیا ویسا

---

[1] اصول روانشناسی

کہا ـــــ یعنی ہر ایک کی بات اس کے اعتبار سے سچ تھی ـــــ

البتہ یہ بات ضرور ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جس بدگمانی سے روکا گیا ہے۔ وہ انحراف فکری اور برائی کی طرف میلان نفس اور اس پر اصرار ہے۔ اور جو چیز حرام ہے۔ وہ بدگمانی پر اثر مرتب کرنا ہے۔ ورنہ ہزاروں خیالات جو دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں اور قلب سے عبور کرتے ہیں ـــ ان پر کوئی اثر مرتب نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ وہ سب غیر اختیاری ہیں اور ان کو روکنا انسان کی طاقت سے باہر کی چیز ہے۔ لہٰذا اس کو مورد تکلیف نہیں قرار دیا جاسکتا یعنی ان سے ممانعت نہیں جاسکتی!

بہر حال چونکہ بدگمانی کرنے والوں کی تلخ زندگی کا سرچشمہ یہی بدگمانی ہے اس لئے اس بات کی تلاش و جستجو کرنی چاہئے کہ آخر یہ بیماری کیسے پیدا ہوتی ہے؟ اور بیماری کی تشخیص کے بعد اس کے علاج و معالجہ کی توجہ کرنی چاہیے!

● ● ●

(۴)

جھوٹ

① اخلاق کی قدر و قیمت

② جھوٹ کے مختلف نقصانات

③ دین کی نظر میں جھوٹ

(۱)

اخلاق کی قدر و قیمت

ہر معاشرہ کی زندگی اور ہر قوم کے تکامل میں اخلاق شرط اساسی ہے۔ انسانی پیدائش کے ساتھ ساتھ اخلاقیات کی بھی تخلیق ہوئی ہے۔ اخلاقیات کی عمر انسانی عمر کے برابر ہے، دنیا کا کوئی عقلمند ایسا نہیں ہے۔ جس کو انسانی روح کی آسائش و سلامتی کے لئے اخلاقیات کے ضروری ہونے میں ذرہ برابر بھی شک ہو۔ یا رشد اجتماعی کی بنیاد پر تقویت دینے اور عمومی اصلاحات میں اس کے سود بخش ہونے میں کسی قسم کا شبہ ہو۔ بھلا کون ایسا شخص ہے جس کو صداقت و امانت سے تکلیف ہوتی ہو؟ یا وہ کذب و خیانت کے زیر سایہ سعادت کا متلاشی ہو؟ اخلاق کی اہمیت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ ہر پسماندہ و ترقی یافتہ قوم چاہے وہ کسی دین و مذہب کی پابند بھی نہ ہو اخلاقی فضائل کو بڑے احترام و تقدس کی نظر سے دیکھتی ہے۔ اور زندگی کی پُرپیچ راہوں میں کچھ سلسلہ احکام کی پابندی کو ضروری سمجھتی ہے۔ انسان اپنی زندگی میں تمام مختلف راہوں کے اختیار کرنے کے باوجود ہر جگہ اور ہر شخص اور ہر قوم و ملت کے لئے بلندی اخلاق ضروری سمجھتا رہا ہے اور طول تاریخ میں ہمارے زمانہ تک اسکی اہمیت مختلف صورتوں میں باقی رہی ہے۔

مشہور انگریزی دانشمند ساموئیل اسمایلز کہتا ہے: اس کائنات کی محرک قوتوں میں سے ایک قوت کا نام اخلاق ہے۔ اور اس کے بہترین کارناموں میں انسانی طبیعت کو بلند ترین شکل میں مجسم کرنا ہے۔ کیونکہ واقعی انسانیت کا معرف یہی اخلاق ہے۔ جو لوگ زندگی کے ہر شعبہ میں تفوق و امتیاز رکھتے ہیں۔ ان کی پوری کوشش یہی ہوتی ہے کہ نوع بشر کا احترام و اکرام اپنے لئے حاصل کریں،

اور یہ کہ تمام لوگ ان پر اعتماد و بھروسہ کریں. اور ان کی تقلید کریں. کیوں کہ ان حضرات کے خیالات یہ ہوتے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز کا تعلق ان ہی سے ہے اور یہ کہ اگر ان کا وجود نہ ہوتا تو دنیا رہنے کے قابل نہ ہوتی. اگرچہ وراثتی نبوغ خود ہی لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور ان کی تعظیم و احترام پر آمادہ کرتا ہے پھر بھی عام لوگوں کا ایسے اشخاص کی طرف کھنچاؤ فکری نتیجہ کا مرہون ہوتا ہے اور تعظیم و احترام کا تعلق دل ہی سے ہوا کرتا ہے ـــــ یہ بات دنیا جانتی ہے کہ ہماری پوری زندگی پر قلب کی حکومت ہوتی ہے۔ اور پوری زندگی کا ادارہ یہی قلب کرتا ہے۔ جو لوگ اپنی زندگی میں عظمت و ارتقاء کی چوٹی پر پہونچ گئے ہیں وہ حیات بشری کی پر پیچ گلیوں کے روشن چراغ ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی ذات سے عالم کو منور کر دیتے ہیں۔ اور لوگوں کو فضائل و تقویٰ کے راستوں کی طرف ہدایت کرتے ہیں. لیکن جب تک کسی بھی معاشرہ کے افراد تربیت یافتہ اور خوش اخلاق نہ ہوں گے چاہے وہ سیاسی بلندیوں کے ہمالہ تک پہونچ جائیں وہ اپنے کو ترقی و بلندی تک نہیں پہونچا سکتے. کوئی بھی قوم ہو یا ملت اگر وہ سربلندی کی یقینی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے تو اس کے لئے ملک کی وسعت ضروری نہیں ہے. کیونکہ بہت سی قومیں جو کثرت افرادی رکھتی تھیں اور ان کے ملک کی زمین بھی بہت طویل و عریض تھی لیکن وہ عظمت و تکامل کی زندگی سے عاری تھیں، اور یہ حقیقت ہے کہ جس قوم کا سرمایہ اخلاق تباہ ہو جائے وہ بہت جلد فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے۔

اس انگریزی دانشمند کا قول نظری و فکری اعتبار سے متفق علیہ ہے لیکن عملی دنیا میں لوگوں نے علم و عمل کے درمیان بہت لمبا فاصلہ ڈال دیا ہے اور عملی دنیا میں انھوں نے مکارم اخلاق کی جگہ کو خواہشات نفسانی کے سپرد کر دی اور ایسی جذباتی خواہشات کی تلاش میں لگ گئے جو زندگی کے سمندر میں ناپائدار حباب کی طرح ہوا کرتی ہیں۔

انسان کارگاہِ تخلیق سے ایسے فضائل لے کر آیا ہے جو آپس میں متضاد ہیں (مثلاً) دل اچھے

وبُرے صفات کا مرکز ہے اس لئے وجود انسانی کو بُرے صفات سے بچانے کیلئے سب سے پہلی کوشش ہونی چاہئے اور اس سلسلے میں سب سے پہلے ان دو طاقتوں کو مسخر کرنا چاہئے۔ جو تمام حیوانی صفات کی منبع ہیں۔ یعنی غضب و شہوت! پس جو شخص بھی منزلِ سعادت و تکامل کی طرف گامزن ہو اس کو چاہئے کہ ان دونوں طاقتوں میں افراط سے پرہیز کرے اور ان دونوں قوتوں کے سخت و مضر میلانات کو مفید و زیباترین جذبات سے بدل دے۔ کیونکہ انسان اپنی زندگی میں اپنے عواطف و جذبات سے بہت فائدہ اٹھاتا ہے۔ لیکن اس کے جذبات کا اظہار اسی وقت ہوتا ہے۔ جب وہ جذبات عقل کے کنٹرول میں ہوں۔

ایک علم النفس کا ماہر کہتا ہے: انسانی جذبات ایک ایسا خزانہ ہے جو دو چیزوں سے مرکب ہے ایک چیز ایسی طاقتوں کا مرکز ہے جو فشار دینے والی ہیں اور دوسری چیز کے اندر مقاومت کی طاقتوں کو ودیعت کر دیا گیا ہے۔ اب جو بھی قدرت مقاومتی دستگاہ پر غالب آگئی وہی قدرت ہمارے وجود پر براہِ راست حکومت کریگی اور ہم کو اپنا تابع و فرمانبردار بنالے گی۔

جن لوگوں نے اپنی باطنی قوتوں میں توازن برقرار رکھا۔ اور خواہشات میں توافق رکھا اور اپنے عقل و دل میں صلح و آشتی کو قائم رکھا۔ انھیں لوگوں نے مشاکلِ حیات میں اپنے مستحکم و غیر متزلزل ارادہ کے ساتھ خوشبختی کے مسلم راستہ کو طے کیا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ پر درست ہے کہ آجکل کی زندگی مشینی زندگی بن کے رہ گئی ہے اور انسان نے اپنی فکری قوتوں کے سہارے سمندروں کا سینہ چاک کر ڈالا ہے۔ لیکن تمدن و حضارت کے سینہ میں جو بدبختیاں موجود ہیں اور نسل بشر جن مشکلات کے تھپیڑوں میں گرفتار ہے اور پورا معاشرہ جس بدنظمی و تباہی کا شکار ہے اسکی علت! روحانیت کی شکست و ریز اور فضائل اخلاقی سے دوری کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

ڈاکٹر ژول رومان کا کہنا ہے: اس زمانہ میں علوم نے تو کافی ترقی کی ہے۔ لیکن ہمارے اخلاقیات اور غریزی احساسات اپنے ابتدائی مراحل میں ہیں۔ اگر ہمارے اخلاقیات بھی عقل و دانش

کے شانہ بہ شانہ ترقی کرتے تو ہم کو یہ کہنے کا حق ہوتا کہ انسان کی مدنیت "جو فکر و نیک ارادوں کا زائیدہ ہے" بھی ترقی کر گئی ہے !!!

ہاں یہ صحیح ہے کہ جس تمدن پر مکارم اخلاق کی حکمرانی نہیں ہوتی وہ توازن و تعادل کے قانون کے بموجب تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ معاشروں اور تمدنوں کے اندر موجود شقاوت و بدبختی نقص و کمی آج بھی لوگوں کو یہ احساس دلانے کے لئے کافی ہے کہ وہ اس زمانہ میں بھی اخلاقی اقدار کے ویسے ہی محتاج ہیں جیسے پہلے تھے مکارم اخلاق کے اندر آج بھی اتنی طاقت وجود موجود ہے جو اس مردہ معاشرہ کے جسم میں نئی روح پھونک دے۔

● ● ● 7/2/18

(۲)

جھوٹ کے نقصانات

سچائی جتنی پسندیدہ چیز ہے جھوٹ، اتنی ہی ناپسندیدہ چیز ہے۔ سچائی بہترین صفت ہے اور جھوٹ بدترین صفت ہے۔ زبان احساساتِ باطنی کی ترجمان اور راز ہائے دل کو ظاہر کرنیوالی ہے! جھوٹ اگر عداوت و حسد کی بنا پر ہو تو خطرناک غصہ کا نتیجہ ہوتا ہے اور اگر طمع و لالچ یا بر بنائے عادت ہو تو انسان کے اندر بھڑکتے ہوئے جذبات کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اگر زبان جھوٹ سے آشنا ہو گئی اور گفتگو میں جھوٹ نمایاں ہو گیا تو جھوٹ بولنے والے کی عظمت اس طرح باد ہوا ہو جاتی ہے جیسے موسم خزاں میں درخت کے پتے! یا شیشوں سے

بنے ہوئے مکان پر برستے ہوئے پتھر! جھوٹ انسان کی ناپاکی وخیانت کی روح کو تقویت دیتا ہے۔ اور ایمان کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو خاموش کر دیتا ہے۔ جھوٹ رشتۂ الفت واتحاد ووفاق کو توڑ دیتا ہے۔ اور عداوت ونفاق کے بیج معاشرہ میں بو دیتا ہے۔ گمراہیوں کا زیادہ تر حصہ جھوٹے وعدوں اور خلاف واقع گفتگوؤں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ بُرے لوگ اپنے فاسد مقاصد کی تکمیل کے لئے اپنی شیریں بیانی کذب لسانی سے سادہ لوح حضرات کو اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں اور اپنی رطب اللسانی کی زنجیر میں اسیر کر لیتے ہیں۔

جھوٹا آدمی کبھی یہ سوچتا ہی نہیں کہ کوئی دوسرا اس کے راز پر مطلع ہو جائے گا۔ اسی اطمینان کی بنیاد پر اپنی گفتگو میں غلطیوں اور تناقض کا شکار ہوتا رہتا ہے اور کبھی شدید رسوائی سے دوچار ہو جاتا ہے اسی لئے یہ مثل بے بنیاد نہیں ہے کہ دروغ گو را حافظہ نباشد!

اس بُری عادت کے عام ہونے کی ایک وجہ جس نے پورے معاشرے کو زہر آلود کر دیا ہے وہ مشہور مقولہ ہے جو زبان زد خاص وعام ہے کہ "دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز" یہی وہ خوشنما پردہ ہے جس نے اس برائی کی خباثت کو چھپا رکھا ہے۔ اور عموماً لوگ اپنے سفید جھوٹ کے جواز کے لئے اسی مقولہ کا سہارا لیتے ہیں۔ لیکن اس بات کی طرف توجہ نہیں دیتے کہ عقل وخرد نے اور شریعت مطہرہ نے مخصوص شرائط کے ساتھ اس کو جائز قرار دیا ہے چنانچہ عقل وشریعت کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کی جان یا آبرو یا مال کثیر کو خطرہ ہو تو اس کا ہر ممکن طریقہ سے دفاع کیا جا سکتا ہے یہاں تک کہ اگر جھوٹ بول کر ان تینوں میں سے کسی ایک کی حفاظت ممکن ہو تو جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ لیکن یہ صرف ضرورت ہی کے وقت ہو سکتا ہے کیونکہ ضرورت حرام کو مباح کر دیتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ شرط ہے کہ انسان بقدر ضرورت ہی استعمال کر سکتا ہے بمقدار ضرورت سے زیادہ جھوٹ نہیں بولا جا سکتا!

اور اگر اس مصلحت کے دائرے کو اپنے شخصی منافع اور نفسانی خواہشات تک کیلئے

وسیع کر دیا جائے اور ہم یہ سمجھ لیں کہ اپنی ذاتی مصلحت و منفعت و شہوت و خواہش کے لئے بھی اسی قاعدہ پر عمل کیا جا سکتا تو پھر بلا مصلحت والے جھوٹ کے لئے کوئی جگہ ہی باقی نہیں رہے گی۔
جیسا کہ ایک عظیم رائٹر نے لکھا ہے: "ویسے تو ہر چیز کے لئے ایک سبب ہوتا ہے (اور نہ بھی ہو تو)۔ ہم اپنے عمل کے لئے بہت سے عوامل اور بہت سی علتیں تخلیق کر سکتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ مجرم سے جب مواخذہ کیا جاتا ہے تو وہ اپنے جرم کیلئے پچاسوں عذر، دلیل اور علت تلاش کر لیتا ہے اور اسی لئے پوری دنیا میں جو جھوٹ بولا جاتا ہے اس میں کوئی نہ کوئی نفع و خیر کا پہلو بہر حال ہوتا ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ جھوٹ لغو اور عبث ہو جائے گا اور پھر اسمیں کوئی زیادہ ضرر و نقصان بھی نہ رہے گا۔

جس چیز میں بھی انسان کا ذاتی فائدہ ہوتا ہے اس کو وہ فطری طور سے خیر سمجھتا ہے اور پھر جب وہ اپنے شخصی منافع کو سچ بولنے کی وجہ سے خطرہ میں دیکھتا ہے یا وہ جھوٹ بولنے میں اپنا فائدہ دیکھتا ہے تو دھڑلے سے جھوٹ بولتا ہے اور دور دور تک اس کی برائی کا تصور بھی نہیں کرتا کیونکہ سچائی میں شر و فتنہ دیکھتا ہے اور جھوٹ میں مصلحت و منفعت دیکھتا ہے"

ہاں ایک نکتہ ضرور ذہن میں رکھنا چاہئے کہ جھوٹ بہر حال ایک شر ہے اگر حصول شرائط کے ساتھ جھوٹ بول کر شر کو دفع کیا گیا تو (یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جھوٹ نیک ہو گیا بلکہ) اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک زیادہ فاسد چیز کو کم فساد والی چیز سے دور کیا گیا ہے۔

آزادی بیان کی اہمیت آزادی فکر سے بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ اگر افکار میں کسی قسم کی لغزش یا انحراف ہو گیا تو اس کا نقصان صرف فکر کرنے والے کو پہنچے گا۔ لیکن اگر گفتار میں لغزش یا انحراف ہو گیا تو اس کا اثر پورے معاشرے پر پڑے گا

امام غزالی کہتے ہیں: زبان ایک بہت بڑی نعمت ہے اور پروردگار عالم کا ایک نہایت ہی لطیف و دقیق عطیہ ہے یہ عضو (زبان)، اگرچہ حجم و جسم کے اعتبار سے بہت ہی چھوٹا ہے

لیکن اطاعت و معصیت کے اعتبار سے بہت ہی سنگین و بڑا ہے. کفر یا ایمان کا اظہار زبان ہی سے ہوا کرتا ہے۔ اور یہی دونوں چیزیں بندگی و سرکشی کی معراج ہیں۔ اس کے بعد اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وہی شخص زبان کی برائیوں سے نجات حاصل کر سکتا ہے جو اس کو دین کے لگام سے اسیر کر دے اور سوائے ان مقامات کے کہ جہاں دنیا و آخرت کا نفع ہو. کسی بھی جگہ آزاد نہ کرے!

بچوں کے باطن میں جھوٹ جڑ نہ پکڑنے پائے اس کے لئے بچوں سے کبھی بھی جھوٹ اور خلاف واقع بات نہیں کرنی چاہئے کیونکہ بچے جن لوگوں کے ساتھ ہمہ وقت رہتے ہیں فطری طور سے انھیں کی گفتار و رفتار کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کرتے ہیں. اگر گھر کے اندر "جو بچوں کے لئے سب سے اہم تربیت گاہ ہے"

جھوٹ اور خلاف واقع کا دور دورہ ہو گیا اور والدین کے اعمال خلاف واقع و حقیقت ہونے لگے تو کسی بھی قیمت پر اچھے و سچے بچے وہاں تربیت پا کر نہیں نکل سکتے. بقول "موریس. ٹی لیش": حقیقت کے مطابق سوچنے کی عادت، حقیقت کے مطابق بات کرنے کی سیرت، ہر سچ و حقیقت کو قبول کرنے کی فطرت صرف انھیں لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے جن کی تربیت طفولیت ہی سے اسی ماحول میں ہوئی ہو۔

● ● ●

(۳)

دین کی نظر میں جھوٹ

قرآن مجید صریحی طور سے جھوٹ بولنے والے کو دین سے خارج سمجھتا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ (پ ۱۴ س ۱۶ (نحل) آیۃ ۱۰۵)

جھوٹ بہتان تو بس وہی لوگ باندھا کرتے ہیں جو خدا کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے!

آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ ایمان والے جھوٹ نہیں بولتے۔

رسول اکرم کا ارشاد ہے: تم پر سچ بولنا واجب ہے. اس لئے کہ سچ خیرات کی طرف لیجاتا ہے اور خیرات جنت میں لے جاتے ہیں جو شخص سچ بولتا ہے اور اس کی کوشش کرتا ہے وہ خدا کے پاس صدیق لکھا جاتا ہے. خبردار جھوٹ نہ بولنا کیونکہ جھوٹ فسق (وفجور) کی طرف دعوت دیتا ہے اور فسق (وفجور) انسان کو جہنم میں ڈھکیل دیتے ہیں. جو انسان برابر جھوٹ بولتا ہے وہ خدا کے یہاں (کذاب) لکھا جاتا ہے۔[1]

جھوٹوں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کو کسی بات پر بڑی مشکل سے یقین آتا ہے اور بڑی مشکل سے دوسروں کی بات پر یقین کرتے ہیں. پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے: جو لوگ سب سے زیادہ لوگوں کی باتوں پر یقین کرتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو سب سے زیادہ سچ بولتے ہیں. اور جو لوگ ہر شخص کی بات کو جھٹلا دیتے ہیں یہ وہی اشخاص ہیں جو سب سے زیادہ جھوٹ بولتے ہیں۔[2]

سامؤئیل اسمایلز کہتا ہے: بعض لوگ اپنی پست طبیعتی کو دوسروں کے لئے معیار قرار دیتے ہیں. لیکن یہ بات جان لینی چاہیئے کہ درحقیقت دوسرے لوگ ہمارے خیالات کے آئینہ ہیں اور ہم جو اچھائی یا برائی ان کے اندر دیکھتے ہیں وہ ہماری اپنی اچھائی یا برائی کا عکس ہے۔

شجاع و بہادر آدمی کبھی جھوٹ نہیں بولتا. اور جھوٹے کے باطن میں ایک ایسی روحی کمزوری ہے جو اس کو صراطِ مستقیم سے ہٹا دیتی ہے. جو لوگ اپنے اندر برائی اور کمزوری کا احساس کرتے ہیں وہی جھوٹ بولا کرتے ہیں. ڈرپوک، بزدل، کمزور کی پناہ جھوٹ ہے:۔

حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں: اگر چیزوں میں چھٹائی کی جائے تو سچائی بہادری کے ساتھ ہوگی، اور

---

[1] نہج الفصاحۃ ۴۱۸، [2] نہج الفصاحۃ ص ۱۱۸،

جھوٹ بزدلی کے ساتھ ہوگا۔[1]

ریمانڈ پیج کہتا ہے: ناتوان کمزور افراد کا دفاعی حربہ جھوٹ ہے اور خطرے کو ٹالنے کے لئے سب سے سریع تر ذریعہ جھوٹ ہے اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ رنگین نژاد لوگوں میں جھوٹ بہت رائج ہے، کیونکہ یہ لوگ سفید فام لوگوں کے جوتے کے نیچے رہے ہیں اور یہ محسوس کرتے رہے ہیں کہ سفید فام لوگ ہم پر نفوذ و سیطرہ رکھتے ہیں اور ہم کو اپنی مرضی کے خلاف استعمال کر سکتے ہیں! بہت سے اوقات میں جھوٹ صرف عاجزی و ناتوانی کا ردعمل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر آپ کسی بچّہ سے پوچھیں کہ یہ مٹھائی تم نے کھائی ہے؟ یا یہ گلدان تم نے توڑا ہے؟ تو اگر بچہ جانتا ہے کہ ہاں! کہہ دینے میں میری اچھی خاصی گوشمالی ہوگی تو اس کی غریزۂ دفاع (دفاعی فطرت) فوراً اس کو نہیں! کہنے پر آمادہ کر دے گی۔[2]

اسلام سچائی کو فضیلت کا ملاک قرار دیتا ہے امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: لوگوں کی کثرت نماز اور کثرت روزہ سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کسی کی یہ عادت ہی ہوگئی ہو اور اس کو اپنی عادت چھوڑنی دشوار ہو بلکہ لوگوں کو سچائی اور امانت کے ساتھ پرکھو[3] اور ان دونوں باتوں سے ان کی آزمائش کرو۔

حضرت علیؑ سچائی کے فوائد و ثمرات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: سچ بولنے والا تین باتوں کو حاصل کرلیتا ہے (۱) لوگ اس پر بھروسہ کرتے ہیں (۲) اس سے محبت کرتے ہیں (۳) اس کی ہیبت چھا جاتی ہے[4] حضرت علیؑ فرماتے ہیں: آدمی کی بدترین صفت جھوٹ بولنا ہے[5]

ساموئیل اسمایلز کہتا ہے: تمام اخلاقی برائیوں اور ذلیل ترین صفات میں سب سے مذموم اور بری صفت جھوٹ ہے۔ انسان کو چاہئے کہ اپنے تمام مراحل زندگی میں صرف سچائی کو اصلی ہدف

---

[1] غرر الحکم ص ۶۰۵ [2] کتاب "ما و فرزندان ما" [3] اصول کافی ص ۸۵
[4] غرر الحکم ص ۸۷۶ [5] غرر الحکم ص ۱۷۵،

قرار دے. کسی بھی مقصد کے حصول کے لئے سچائی سے دست بردار نہیں ہونا چاہئے۔[1]

اسلام نے اپنے تمام اخلاقی و اصلاحی پروگراموں کو ایمان کی بنیاد پر استوار کیا ہے اور اسی کو سعادت بشری کی بنیاد شمار کیا ہے! ڈیکارٹ کہتا ہے: ایمان کے بغیر اخلاق اس قصر کے مانند ہے جو برف پر بنایا گیا ہو۔ ایک دوسرا دانشمند کہتا ہے: دین کے بغیر اخلاق کی مثال اس دانہ کی ہے جس کو پتھریلی خارستان میں بویا گیا ہو جو خشک ہو کر ختم ہو جاتا ہے. بہترین اخلاق بھی اگر زیر سایہ دین و ایمان نہ ہو تو اس کی مثال اس خاموش مردے کی ہے جو ایک زندہ اور کاہل انسان کے برابر پڑا ہو.

دین قلب و عقل کے دونوں ملکوں پر حکومت کرتا ہے. اور اسی وجہ سے دین دماغ و دل کیلئے مرکز صلح بھی ہے. اگر کسی کے پاس دینی جذبات ہیں تو وہ مادی احساسات کے غلبہ کو کم کر دیتے ہیں، دین ہی انسان اور اس کی کثافتوں و نجاستوں کے درمیان سد سکندر بن جاتا ہے. جو شخص ایمان پر تکیہ زن ہوتا ہے وہ ہمیشہ بامقصد اور مطمئن ہوتا ہے. اسلام نے انسان کی شخصیت کو اسکے ایمان اور صفات اعلیٰ و ملکات فاضلہ کا مقیاس (پیمانہ) و محور قرار دیا ہے! اور ان دونوں ــ ایمان و ملکات فاضلہ ــ جنبوں کی ترقی کے لئے کوشاں رہتا ہے. اسی ایمان کی بدولت مسلمان کی بات میں اسلام نے وزن پیدا کر دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ دین کے قانون قضائی (عدلیہ) میں قسم کھانے کو ــ بشرطیکہ وہ قسم تمام شرائط کی جامع ہو ــ دلیل کا قائم مقام قرار دیا ہے. اسی طرح مرد مسلمان کی گواہی معاشرے کے حقوق کے اثبات کی دلیل قرار دی گئی ہے۔

اب ذرا تصور کیجئے اگر ان دونوں جگہوں ــ قسم و گواہی ــ پر جھوٹ بولا جائے تو اس سے کتنا عظیم نقصان ہوگا. اور یہ اتنی بڑی لغزش ہوگی جو قابل عفو و بخشش نہیں ہے. پس اس سے ثابت ہوا کہ جھوٹ کے گناہ کی شدت و کمی اس سے پیدا ہونے والے نقصانات سے وابستہ ہے مثلاً جھوٹی قسم و

---

[1] اخلاق۔

جھوٹی گواہی کا ضرر بہت زیادہ ہے اس لئے اس جھوٹ کا بھی گناہ بہت زیادہ ہے۔

تمام برائیوں تک پہونچنے کا سب سے پہلا ذریعہ جھوٹ ہوا کرتا ہے، امام حسن عسکریؑ فرماتے ہیں:

تمام خباثت و برائیوں کو ایک مکان میں بند کر دیا گیا ہے اور اس کی کنجی جھوٹ کو قرار دیا گیا ہے[1]

میں آپ کی توجہ مبذول کرانے کیلئے اس سلسلہ میں پیشوائے اسلام کا دستور ذکر کرتا ہوں:

ایک شخص سرکار رسالتمآبؐ کے پاس آکر گویا ہوا: میری سعادت و نیکبختی کے لئے آپ مجھے کوئی موعظہ فرمائیں!

آنحضرتؐ نے فرمایا: جھوٹ چھوڑ دو اور ہمیشہ سچ بولا کرو! وہ شخص جواب پاکر چلا گیا۔ اس کے بعد اس نے کہا: میں بہت ہی گنہگار تھا لیکن میں ان گناہوں کے چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ کیونکہ گناہ کرنے کے بعد اگر مجھ سے پوچھا جاتا اور میں سچ بول دیتا تو سب کے سامنے رسوا ہو جاتا اور لوگوں کی نظروں سے گر جاتا۔ اور اگر جھوٹ بولتا تو دستور رسولؐ اکرم کی مخالفت کرتا۔ اس لئے میں نے سارے گناہ چھوڑ دیئے،

جی ہاں! جو شخص راست گفتار ہوتا ہے اور راہ راست پر چلتا ہے وہ رنج و افسوس سے دور رہتا ہے۔ اور اس کے ایمان کی شمع ہمیشہ فروزاں رہتی ہے وہ شخص قلق و اضطراب سے امان میں رہتا ہے۔ اور افکار پریشاں سے بہت دور رہتا ہے۔

پس جھوٹ کے بُرے انجام کو دیکھنا اور اس کے بارے میں غور و فکر کرنا اور دین و دنیا میں اس کے بُرے نتائج کو سوچنا ہر شرافت دوست اور متفکر انسان کیلئے ایک بزرگترین درس عبرت ہے، حقیقت کمال کا حصول ایمان کے زیر سایہ ہی ہوا کرتا ہے اور جہاں پر کمال حقیقی نہیں ہوتا وہاں سعادت و آسائش بھی نہیں ہوتی۔

● ● ●

---

[1] جامع السعادات ج ۲ ص ۲۱۸۔

(۵)

نفاق

① اپنی شخصیت کی تکمیل کریں ۔

② نفاق یا خبیث ترین اخلاقی صفت

③ خانۂ نفاق کو آگ لگا دو۔

(۱)

اپنی شخصیت کی تکمیل

سب سے بڑی سعادت وخوش بختی کی علت اور سب سے بہترین وہ زینت جس سے آدمی کی آرائش ہوتی ہے اس کی شخصیت ہے۔ یہی وہ قیمتی وگراں بہا گوہر ہے جو زندگی کو اس کی عظمت عطا کرتا ہے اور انسان کو شرف وفخر کے اعلیٰ مدارج تک پہونچاتا ہے۔ یوں تو ہر شخص انسان ہونے کے ناطے مساوی و برابر ہے۔ لیکن عقل وفکر روحانی عادتوں مشخصات اخلاقی کے اعتبار سے ہر شخص ایک دوسرے سے جُدا ہے اور جو چیز انسان کو اپنے دیگر ہم نوع افراد سے جدا کرتی ہے۔ اور انسان کی قدر وقیمت کو نمایاں کرتی ہے۔ وہ اس کی شخصیت ہے تمام وہ محرکات جو ہمارے اندر غیر مستقیم اثر کرتے ہیں وہ تو کرتے ہی ہیں۔ لیکن شخصیت کا اثر براہِ راست ہوتا ہے۔ اور ناقابل زوال ہوتا ہے۔

انسان کو اس عرصۂ ہستی میں اس لئے لایا گیا ہے۔ کہ وہ اپنے اندر موجود ذخیروں کو استعمال کرکے اپنی عادتوں کو سدھارے اور اپنی قوت فکر وادراک میں خلوص کے ساتھ کوشش کرکے وسعت بخشے تاکہ اسکی روحانی قوتیں تقویت حاصل کرکے اپنے کمال رشد کو پہونچ جائیں اور اس کائنات کے اندر اپنے انسانی فرائض کو پورا کرسکیں۔

اس لئے تمام افراد کا ہدف ومقصد یہ ہونا چاہئے کہ ایک عمیق وسالم شخصیت کی تعمیر کرکے باطنی قوتوں کو سعادت وخوش بختی کے حصول میں لگادیں اور انسان اس کے لئے جتنی کوشش کریگا

توفیق کے حصول کی امید اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ اس لئے کہ شخصیت کے برابر کوئی بھی چیز حصولِ سعادت کے لئے مؤثر نہیں ہے اور نہ شخصیت کے علاوہ کوئی بھی چیز انسانی مصالح و منافع کی حفاظت کر سکتی ہے یہ شخصیت ہی ہے جو اس کو زندگی کے تلاطم خیز و پرآشوب سمندر میں شناوری پر آمادہ کر سکتی ہے۔

شوپن ہاور کہتا ہے: شخصیت کا اختلاف مکمل طور پر فطری چیز ہے۔ اور انسانی خود ساختہ نظام کے اختلافات کا اثر اتنا نہیں مرتب ہوتا۔ جتنا نیک بختی و بدبختی کے حصول میں شخصیت کا اثر مرتب ہوتا ہے۔ شخصی امتیازات "جیسے طاقتور عقل، لطیف و پاکیزہ جذبات" کا قیاس ان امتیازات پر کسی بھی طرح نہیں کیا جا سکتا۔ جن کو انسان اپنی زندگی میں حاصل کر سکتا ہے۔ جیسے مال و دولت، عزت و مرتبہ وغیرہ ایک عقلمند انسان مکمل گوشۂ تنہائی میں بھی اپنے تفکرات و تخیلات کے سہارے۔ اپنی زندگی کے بہترین و لذیذ ترین ساعات مہیا کر سکتا ہے۔ لیکن جاہل شخص چاہے جتنی آرام دہ زندگی مہیا کر لے اور ناقابل شمار دولت خرچ کر ڈالے وہ اپنے جسم و روح کی کسلمندی ــــ جو اس کو برابر اذیت پہونچاتی رہتی ہے ــــ سے چھٹکارا نہیں حاصل کر سکتا

طاقت و قوت، عقل مدبر، لطیف احساسات یہ وہ چیزیں ہیں جو انسان کو مقصدِ حیات سے بہت قریب کر سکتی ہیں اور سعادت و نیک بختی کے اسباب اس کے لئے مہیا کر سکتی ہیں۔ اسی لئے ہمارا فریضہ ہے کہ دیگر عوامل (مثلاً حصول ثروت و دولت) کے مقابلہ میں ان عوامل کے لئے زیادہ سعی و کوشش کریں۔ انسان کی سرنوشت میں اس کی ہر صفت و ہر عادت کا ایک مخصوص حصہ ہوتا ہے اور ہر احساس و ہر فکر کا اثر ان صفات و عادات پر مرتب ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ہر شخص کے اخلاق میں دائمی تحول و تغیر کا احساس کرتے ہیں یا تو اس کے اخلاق دن بدن تقدم و تکامل کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں اور یا پھر انحطاط و پستی کی طرف مائل ہوتے رہتے ہیں۔

اپنی شخصیت کی نشو و نما اور تکامل کے لئے سب سے پہلا قدم تو یہ ہے کہ انسان اپنے

اندر موجود ذخائر و قوتوں سے استفادہ کا طریقہ سیکھے اور اپنے پیروں کی ان تمام زنجیروں کو کاٹ دے۔ جو کمال تک پہونچنے سے روکتی ہوں۔ اور اپنے دامن سے تمام پستیوں اور رذالت کو جھٹک دے۔ لیکن جب تک اپنی واقعی قدر و قیمت کا ادراک نہ کرلے گا۔ اپنے کو زندہ نہیں کر پائے گا۔ اور نہ اپنے نفس میں کوئی مفید تحول پیدا کر سکے گا۔ اور نہ اپنے نفس و روح کو ان کی کثافتوں سے پاک کر سکے گا۔ بلکہ وہ کمال کے بجائے رجعت قہقری میں مبتلا ہو جائیگا۔

انسان کی رفتار و گفتار جب تک نفسانی کمالات سے جوش مار کر نہ نکلے اِن کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ کلام جب دل کا ترجمان ہوتا ہے اور رازہائے دل کو بیان کرنے والا ہوتا ہے۔ اور شرف و کمالات کا سمندر ہوتا ہے تب ہی وحدتِ شخصیت اور اس کی اصالت و ثبات کا تعبیر کنندہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر دل و زبان میں تباین و تضاد ہو تو وہ کلام بے ثباتی شخصیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ اور انسانی زندگی پر اس کا بہت ہی بُرا اثر پڑتا ہے۔ اور اس کے بڑے تلخ نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔

● ● ●

(۲)

نِفاق یا خبیث ترین اخلاقی صِفَت

نفاق سب سے بڑی اخلاقی برائی ہے جو ہر اعتبار سے ناپسندیدہ ہے۔ انسانی فطرت جس میں سعادت، حرّیت اعلیٰ مدارجِ کمال کیطرف ترقی کی استعداد و صلاحیت ہوتی ہے۔

جب وہ جھوٹ، عہد شکنی، خلف وعدہ جیسی صفتوں سے ملوث ہو جاتی ہے تو وہیں سے اس میں نفاق کا عمل دخل شروع ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ نفاق اس میں اپنے پنجے گڑو لیتا ہے اور وہ شخص ایک مزمن بیماری کا شکار ہو جاتا ہے۔ نفاق انسان کو اصل حقیقت تک پہونچنے اور اس کے لئے کوشش کرنے سے بھی مانع ہو جاتا ہے۔ اور اچھے صفات حاصل کرنے کیلئے مضبوط بند بن جاتا ہے۔ اور یہ بات تو واضح ہی ہے کہ جو چیز بھی رشد و کمالِ انسانیت کے حصول میں رکاوٹ بنتی ہے وہ اچھی و نیک زندگی کی ضد ہوتی ہے۔ کیونکہ کمالِ نفسانی کمالِ روح کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اور نفاق اس کے آڑے آتا ہے

نفاق وہ بیماری ہے جو انسان کی شرافت و قدر و قیمت کو برباد کر دیتی ہے، بداخلاقی، آوارگی کو بطور تحفہ لاتی ہے اور اعتماد بر نفس ــ جو اچھی زندگی کا لازمہ ہے ــ کی جگہ دل کی گہرائیوں میں بدگمانی و اضطراب کو جاگزین کر دیتی ہے۔

ایک وہ شخص جس کی اخلاقی برائی اوجِ کمال پر پہونچ جاتی ہے۔ وہ اپنی فنی مہارت کے ذریعہ لوگوں کو یہ باور کراتا ہے کہ وہ ان کا بہت ہی خیر خواہ ہے۔ اور اگر کہیں دو آدمیوں کے درمیان عداوت و بغض و کینہ ہو تو یہ شخص دونوں کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے اور ہر ایک پر یہی ثابت کرتا ہے کہ وہ اس کا مخلص و محب ہے اور دوسرے کی برائی و ملامت اس لئے کرتا ہے تاکہ اس پر یہ ثابت کر سکے کہ اس کا سچا مخلص ہمدرد یہی ہے۔ حالانکہ اس کا دونوں میں سے کسی کے ساتھ نہ معنوی رابطہ ہوتا ہے نہ روحانی، دونوں سے جھوٹ بولتا ہے ریاکاری کرتا ہے اور دونوں کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے !!! تصنع اور ریاکاری سے ہر ایک کی تائید کرنا اور جہاں پر اظہار حق ضروری ہو وہاں خاموش رہنا منافقین کی علامت ہے۔ سخت ترین دشمن سے بھی زیادہ بُرا منافق ہوتا ہے۔ بقول بعض بزرگان: دشمن کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جس طرح ظاہر میں دشمن ہوتا ہے اسی طرح باطن میں بھی دشمن ہوتا ہے۔ کیونکہ دشمنی دو رنگ کی نہیں ہوا کرتی۔ کاش دوست بھی دشمن کی طرح بے

ریا ہوتے ۔اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ منافق سے بھی بدتر وہ دوست ہوتے ہیں جو منافق ہوتے ہیں !!!۔

منافق کی زندگی ہمیشہ ذلت وخواری سے دوچار رہتی ہے جو شخص منافق ہوتا ہے اس کیلئے محال ہے کہ اپنی منافقت کی وجہ سے دوستوں کے دل میں گھر بنا سکے ۔اسکی اخفائے حقائق کی کوشش اس کو ہمیشہ رسوائی سے نہیں بچا سکتی کسی نہ کسی دن اس کا بھانڈا پھوٹ ہی جاتا ہے ۔

معاشرے کی ایک سب سے بڑی بدبختی کی علت ،عدم خلوص، جھوٹ، ریاکاری کا لوگوں کے مختلف طبقوں میں پھیل جانا بھی ہے ۔اگر کسی معاشرے کی تعمیر میں نفاق کا دور دورہ ہو جائے اور نفاق دلوں پر سایہ فگن ہو جائے تو اس سے قطع نظر کہ لوگوں کی طبیعتوں میں اختلال وانحطاط پیدا ہو جاتا ہے ایسا معاشرہ رفتہ رفتہ کر کے ختم ہو جاتا ہے ۔

مشہور انگریزی دانشمند سامویل اسمائیز کہتا ہے : ہمارے زمانے کے سیاسی واجتماعی لوگوں کے اخلاق رو بہ انحطاط ہیں ۔آج کل کے لوگ استقبالیہ کمرے میں جو بات کہتے ہیں وہ ان کے عمومی اسٹیج کی تقریروں سے کہیں مختلف ہوتی ہے یہ لوگ اسٹیج سے لوگوں کو قومی ونسلی وعنصری تعصب پر ابھارتے ہیں اور اپنی مخصوص نشستوں میں اس کا مذاق اڑاتے ہیں فکری تلون اس زمانہ میں ماضی سے کہیں زیادہ ہے ۔آج منافع کے اختلاف سے مبادی واصول ہر گھڑی بدل جاتے ہیں بلکہ اب تو یہ عالم ہے کہ ریاکاری وتصنع رفتہ رفتہ اخلاق ذمیمہ سے بدل کر اخلاق حسنہ میں شمار ہوتے جا رہے ہیں اگر معاشرہ کا سب سے اونچا طبقہ تلون مزاجی اور ریاکاری کا شکار ہے تو دوسرے طبقے اس سے پیچھے نہیں رہیں گے ۔کیونکہ عوام کا طبقہ اونچے طبقہ کے اخلاق کو اختیار کر لیتا ہے ۔اس لئے عوام بھی تلون مزاجی وریاکاری کے شکار ہو جائیں گے ۔آج کل لوگوں کی شہرت جن باتوں سے ہوتی ہے وہ اس کے اچھے اخلاق وخصوصیات کے بجائے زشت وبرے صفات کے ذریعہ ہوتی ہے ۔روسی ضرب المثل ہے : جس کے فقرول کے ستون محکم ومضبوط

ہوں گے۔ وہ بلند منصب پر فائز نہیں ہو سکتا! لیکن ہم کہتے ہیں جو شخص شہرت کا دلدادہ ہوگا۔ اس کے فقروں کے عمود دوستون نرم و کمزور اور لچکدار ہوں گے۔ جدھر بھی شہرت کی ہوا چل رہی ہوگی وہ اپنی کمر کو اسی کی طرف موڑ دے گا۔ جو شہرت لوگوں کو دھوکہ دیکر عوام کی نظروں سے حقیقت کو چھپا کر، پست فطرت و ذلیل لوگوں کے ذوق کے مطابق لکھ کر اور تقریر کر کے حاصل کی جائے۔ وہ بہت بری شہرت ہے۔ اور اس سے بدتر وہ شہرت ہے جو معاشرہ میں نفاق و شقاق ڈال کر حاصل کی جائے۔ ایسی سستی شہرت نیک لوگوں کی نظر میں پست و قابل نفرت ہوتی ہے۔ ایسی شہرت والے شخص کی کوئی قدر و قیمت نیک لوگوں کی نظروں میں نہیں ہوتی۔

خلوص اور سچائی انسانیت و پاک ضمیری کی علامت ہے اور بہترین و عالی ترین روشن زندگی کی نشانی ہے۔ یہ ممتاز صفت پاک و منزہ روح سے متصل ہوتی ہے۔ اور شخصیت کو منظم کرتی ہے معاشرہ میں اتحاد و صلح کو تقویت دیتی ہے۔ یہ بات فطری ہے کہ انسان اپنے مخلص دوستوں سے کہیں زیادہ محبت کرتا ہے بہ نسبت ان دوستوں کے جن کے خلوص میں شبہ ہو۔ اور یہ محبت اتنی ہی قوی ہوگی جتنی وہ شخص منافقوں سے نفرت کرتا ہوگا۔

● ● ●

(۳)

خانۂ نفاق کو آگ لگا دو

جس وقت اسلام بڑی سرعت کے ساتھ ترقی کر رہا تھا۔ اس وقت منافقین نے جب دیکھا کہ ہمارا وقار مجروح ہو رہا ہے۔ تو انھوں نے اسلامی حکومت کی بنیاد کو کھوکھلا کرنے میں دل د

جان کی بازی لگادی۔ پہلا کام تو یہی کیا کہ رسولؐ اسلام سے ظاہر بظاہر عہد و پیمان کرتے تھے۔ لیکن مقام امتحان میں اپنے وظائف سے روگردانی کر لیتے تھے دوسرا مشغلہ انھوں نے یہ اختیار کیا کہ ایمان لانے والوں کا مذاق اڑانا شروع کر دیا ــــ یہ اس وقت کے مٹھی بھر منافقین جو مفسد و کارشکن تھے ان کی کوئی اخلاقی یا معنوی شخصیت بھی نہیں تھی یہ کسی قیمت پر اس بات کو گوارہ نہیں کرتے تھے کہ لوگوں کا خلوص رسولؐ اسلام سے بڑھنے پائے اور لوگ آنحضرتؐ پر ایمان لانے لگیں اس گروہ کا سرغنہ "ابو عامر راہب" تھا۔ یہ شخص رسولؐ خدا کے ہجرت کر کے مدینہ پہونچنے سے پہلے یہودیوں اور نصرانیوں کا مذہبی رہبر تھا۔ اور اسی منصب کی وجہ سے پبلک میں بہت زیادہ اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ لیکن رسولؐ خدا کے آنے سے پہلے لوگوں کو آپ کی بشارت و خوشخبری دیتا تھا اور رسولؐ کے آتے ہی اسلام بھی لے آیا تھا۔ لیکن رسولؐ خدا کا اثر و رسوخ جتنا جتنا بڑھتا گیا۔ اس کے اثرات کم سے کمتر ہونے لگے۔ اور لوگوں کی نظروں میں اسکی کوئی قدر و قیمت باقی نہ رہی۔ اس چیز کو ابو عامر برداشت نہ کر سکا اور مکہ چلا گیا۔ وہاں پہونچتے ہی اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ جنگ بدر و احد میں مشرکین مکہ کے ساتھ ہو کر رسولؐ خدا سے جنگ بھی لڑا۔ پھر وہاں سے روم بھاگ گیا۔ اور وہاں سے اسلام کو ختم کرنے کیلئے پروگرام بنانے لگا۔ اسی پروگرام کا یہ حصہ تھا کہ اس نے مدینہ میں اپنے دوستوں سے رابطہ قائم کر کے ایک مسجد کی تعمیر کا حکم دیدیا لیکن رسولؐ خدا کی اجازت کے بغیر مسجد کی تعمیر چونکہ ناممکن تھی اس لئے ایک ذمہ دار منافق کو آمادہ کیا کہ کسی بھی بہانہ سے تعمیر مسجد کی اجازت حاصل کر لے چنانچہ اس نے اجازت حاصل کر لی، اور رفتہ رفتہ مسجد کی تعمیر شروع ہو گئی۔

جب آنحضرتؐ جنگ تبوک سے واپس تشریف لائے تو منافقوں نے اس مسجد کے افتتاح کے لئے آنحضرتؐ کو دعوت دی اور اس انتظار میں رہنے لگے کہ مسجد کا افتتاح ہوتے ہی ہم اپنے منحوس پروگرام کو شروع کر دیں۔ لیکن ادھر خدا نے اپنے رسولؐ کو منافقین کی سازشوں سے

آگاہ کر دیا۔ اور آنحضرتؐ مسجد کے افتتاح کے لئے تشریف نہ لے گئے۔ اور حکم خدا کی بناء پر مسجد کا نام مسجد ضرار رکھ دیا۔ اور اس میں ہر قسم کے اجتماع کی پابندی عائد کر دی اور اس طرح منکے پروگراموں کو نقش بر آب کر دیا۔ اور آخر میں آنحضرتؐ نے حکم دیدیا "اس خانۂ نفاق کو آگ لگا دو"

قرآن مجید نے منافقوں کو بہت بُرا بھلا کہا ہے اور متعدد جگہوں پر ان کی مذمت کی ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (پ ۱ س ۲ (بقرہ) آیۃ نمبر ۸ تا ۱۱)

اور بعض لوگ (تو) ایسے بھی ہیں جو (زبان سے تو) کہتے ہیں کہ ہم خدا پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ (دل سے) ایمان نہیں لائے (یہ لوگ) خدا کو اور مومنین کو دھوکہ دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے آپ ہی کو دھوکہ دیتے ہیں اور کچھ شعور نہیں رکھتے ان کے دلوں میں مرض تھا ہی اب خدا نے ان کے مرض کو اور بڑھا دیا ہے۔ اور چونکہ وہ لوگ جھوٹ بولا کرتے تھے اس لئے ان کے لئے تکلیف دہ عذاب ہے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین (ملک) میں فساد نہ کرتے پھرو (تو) کہتے ہیں ہم تو صرف اصلاح کرتے ہیں۔ خبردار ہو جاؤ بے شک یہی لوگ فسادی ہیں لیکن یہ سمجھتے نہیں ہیں !!

نفاق ایک قسم کی خبیث و حقیر روحانی بیماری ہے حضرت علیؑ فرماتے ہیں: منافقین سے دور رہو۔ کیونکہ یہ خود تو گمراہ ہیں ہی دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں یہ لوگ ایک قسم کی روحانی بیماری

میں مبتلا ہیں. اگرچہ ان کا ظاہر بہت ہی آراستہ ہے [1]

ہیلین شاختر کہتا ہے، کچھ لوگ محض اپنی اہمیت جتانے اور اپنے آپ کو پہچنوانے کی خاطر دوسروں کی مخالفت کرتے ہیں ۔ بقول شاعر ؎ بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا؟ ـــ دوسروں پر نقد و تبصرہ کرنے کو خاموشی پر مقدم کرتے ہیں. کیونکہ ان کے اوپر سب سے زیادہ شاق یہ ہے کہ دوسرے لوگ ان کی طرف توجہ نہیں کرتے. اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ لوگ ان کی طرف متوجہ نہیں ہو رہے ہیں تو وہ نفاق اختیار کرتے ہیں اور غلط افعال کا اقدام کرنے لگتے ہیں [2]

حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں، منافق کی گفتگو بڑی دلچسپ ہوتی ہے لیکن اس کا باطن علیل ہوتا ہے [3]. چونکہ منافق اپنی زندگی میں مضبوط پشت پناہ نہیں رکھتا اس لئے ہمیشہ حیران و سرگردان رہتا ہے. رسولؐ خدا نے منافق کی بہت اچھی مثال دی ہے فرماتے ہیں، منافق کی مثال اس حیرت زدہ گوسفند کی ہے. جو دو گلوں کے درمیان حیران و پریشان ماری پھرتی ہو [4] اسی طرح آنحضرتؐ منافق کی پہچان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں؛ منافق کی تین علامتیں ہیں.

(۱) جب گفتگو کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے (۲) جب وعدہ کرتا ہے خلاف وعدہ کرتا ہے (۳) جب کسی چیز پر امین بنایا جاتا ہے تو خیانت کرتا ہے [5]

حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: بہت ہی بُرا وہ شخص ہے جو منافق ہو، جو اپنے دوست کی موجودگی میں اسکی تعریف و توصیف کرتا ہو. اور اس کے پیٹھ پیچھے اس کے پرخچے اڑاتا ہو. اگر دوست کو کچھ مل جائے تو اس سے حسد کرتا ہو اور اگر دوست کسی بلا میں گرفتار ہو جائے تو اس کو چھوڑ دیتا ہو [6]

منافق کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ ہمیشہ اپنے دفاع میں لگا رہتا ہے اور دوسروں کی برائی کرتا

---

[1] غرر الحکم ص ۱۴۶ ۔ [2] رشد شخصیت [3] غرر الحکم ص ۶۰

[4] نہج الفصاحہ ص ۵۶۲ [5] بحار ج ۱۵ ص ۳۰ [6] بحار ج ۱۵ ص ۱۷۶

رہتا ہے حضرت علیؑ فرماتے ہیں: منافق اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اور ہمیشہ اپنی طرفداری کرتا ہے اور لوگوں کی تحقیر و تذلیل کرتا رہتا ہے [1]

ساموئیل اسمایلز کہتا ہے: منافق و ریاکار شخص اپنی ذات میں مشغول رہتا ہے۔ کبھی بھی دوسرے کی فکر نہیں کرتا۔ اپنے کاموں میں اتنا محو رہتا ہے اور اپنے بارے میں اتنا سوچتا رہتا ہے اور اپنے حالات میں اتنی دقت نظر کرتا ہے اور اپنی ذات کے مطالعہ میں اتنا مشغول رہتا ہے کہ اپنے حقیر و ذلیل وجود کو عالمی معبود تصور کر لیتا ہے [2]

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: جناب لقمان نے اپنے بیٹے کو یہ بھی نصیحت فرمائی: منافق کی تین علامتیں ہیں۔ (۱) اس کی زبان اس کے دل کی مخالف ہوتی ہے (۲) اس کا دل اس کے عمل کا مخالف ہوتا ہے (۳) اس کا ظاہر اس کے باطن کا مخالف ہوتا ہے [3]

انسان کے افکار و خیالات اس کے اصلی چہرہ کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی چاہے کہ اپنے چہرے پر نفاق و ریاکاری کا پردہ ڈال کر اپنی زندگی کو پوشیدہ کر لے تو اس کو اس کی کبھی توفیق نہ ہوگی۔ اور آخر کار اس کی حقیقی نیت اور واقعی شخصیت ظاہر ہو ہی جاتی ہے۔

ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں آکر پوچھا: مولا میرا ایک دوست میرے پاس آکر بہت ہی اظہار علاقہ و محبت کرتا ہے آخر میں کیسے پتہ لگاؤں کہ یہ سچ کہتا ہے یا جھوٹ؟ حضرتؑ نے فرمایا: اگر اس کی محبت نے تمہارے دل میں جڑ پکڑ لی ہے تو سمجھ لو وہ اپنے اظہار محبت میں سچا ہے اور اگر تمہارے دل میں ایک قسم کی سرد مہری ہے تو سمجھ لو کہ تمہاری دوستی میں شگاف پیدا ہو چکا ہے [4]

ڈاکٹر ماردن کہتا ہے: اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ تم صرف اپنی باتوں سے لوگوں کو اپنی معرفت کرا دو گے تو تم نے یہ خیال کر کے اپنے نفس کو دھوکا دیا ہے۔ کیونکہ جو پیمانہ تمہارے پاس ہے۔ لوگ اس پیمانہ پر تم کو نہیں تولیں گے بلکہ لوگ تمہارے اقوال، تمہارے افعال، تمہارے اعمال

---

[1] غرر الحکم ص ۸۸ [2] اخلاق [3] بحار ج ۱۵ ص ۳۰ [4] وافی ج ۳ ص ۱۰۶۔

تمہارے احوال، تمہاری ضمیروں اور باطنی چیزوں سے تمہاری معرفت حاصل کریں گے۔ جن لوگوں سے تم گفتگو کرتے ہو وہ تمہارے خیالات کی کمزوری یا طاقت اور ریاکاری یا حقیقت کا اندازہ تمہاری گفتگو سے لگالیں گے۔ بلکہ تمہاری خاموشی سے بھی اندازہ لگالیں گے۔ لوگ تمہارے مقاصد اور تمہاری امیدوں کا اندازہ لگاکر تمہارے بارے میں ایک قطعی رائے قائم کریں گے اور پھر چاہے تم کتنے ہی اعتراضات کرو وہ اپنی رائے کو تمہارے بارے میں نہیں بدلیں گے۔ کبھی آپ نے بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا ہوگا کہ میں فلاں آدمی کو برداشت نہیں کرسکتا۔ برداشت کرنا تو درکنار میں اسکی صورت دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتا۔ حالانکہ یہی کہنے والے شخص نے (جس کو یہ کہہ رہا ہے) اسکو دیکھا ہے کہ اس سے بہت ہنس ہنس کے بات کرتا ہے۔ اور اس سے بہت عمدہ طریقہ سے پیش آتا ہے، لیکن یہ کہنے والا ان تمام باتوں کے باوجود اس کو دوست رکھنے پر تیار نہیں ہے کیونکہ اسکے بُرے خیالات اور باطنی حالات کا اندازہ کرچکا ہے خود ہم بھی دوسروں میں اس قسم کے اثرات پیدا کردیتے ہیں کیونکہ ہم جو کچھ بھی سوچتے ہیں اور احساس کرتے ہیں وہ نامرئی امواج کی صورت میں ہمارے چاروں طرف منتشر ہوتا رہتا ہے[1] حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: پاک دل افراد کے افکار ان کی فصیح گفتار کے مقابلہ میں زیادہ سچے گواہ ہیں[2]

یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ نفاق سے مراد ہماری عمومی نفاق ہے جو عقائدی نفاق اور اخلاقی نفاق دونوں کو شامل ہے نیز نفاق خواہ قول میں ہو یا عمل میں دونوں پر مشتمل ہے کیونکہ اسلام نے مسلمانوں کو "وحدت تامہ کاملہ" کی طرف دعوت دی ہے تاکہ مسلمانوں کی زندگی صاف وشفاف ہو، نفاق وریاکاری، اور دغل فصل سے پاک ہو۔

● ● ●

---

[1] پیروزی فکر۔ [2] غررالحکم ص ۵۰۱

(۶)

غیبت

① گناہوں سے آلودہ معاشرہ

② غیبت کے نقصانات

③ اس روحانی بیماری کے اسباب اور اس کا علاج

④ دین کی فاسد اخلاق سے جنگ

(۱)

گناہوں سے آلودہ معاشرہ

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ ہمارا آج کا معاشرہ مختلف قسم کی روحانی بیماریوں میں مبتلا ہو کر مفاسد کے سمندر بے پایاں میں غوطہ زن ہے۔ مادی زندگی کے اسباب و وسائل میں جتنی ترقی ہے، اسی اعتبار سے معاشرہ اخلاقی فضائل میں پیچھے ہٹ چکا ہے بلکہ امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ زندگی مزید مسموم اور دردناک ہوتی جا رہی ہے۔ جن لوگوں نے تکالیف سے بچنے کے لئے مسلسل کوششیں کی ہیں، وہ کثافت و پلیدگی کے آغوش میں جا پڑے۔ اور اندرونی اضطرابات و باطنی رنج و غم کو بھلانے کیلئے برائیوں کے دلدل میں جا گرے۔ اس قسم کے معاشرہ کی زندگی میں آفتاب سعادت کی ضوفشانی محال ہے،

معلوم یہ ہوتا ہے کہ جیسے معاشرہ کے افراد نے اپنے کو ہر قید و بند اور ہر شرط سے آزاد کر کے انحطاط کے میدان میں آگے بڑھنے کی بازی لگا رکھی ہو۔ اگر آپ غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ترقی کے روز افزوں وسائل سے برعکس استفادہ کیا جا رہا ہے۔ مختصر یہ کہ مادی لبھانے والی چیزیں امید و آرزو کا محور بن گئی ہیں۔ پلیدی و ناپاکی کا اہرمن معاشرہ کے اوپر اپنا منحوس سایہ ڈال کر وحشتناک طریقہ سے نمایاں ہو گیا ہے۔

کاش یہ بے پناہ دولت و سرسام آور ثروت گمراہی و تباہی میں صرف ہونے کے بجائے اس کا ایک حصہ مکارم اخلاق کی توسیع و بلندی میں خرچ ہوتا۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ اخلاقی قوانین ہمیشہ ثابت اور ناقابل تغیر رہے ہیں۔ لیکن نہ جانے کیوں ہمارے معاشرہ میں ہمیشہ تغیر و تحوّل پذیر رہے ہیں۔ اور مختلف صورتوں اور گوناگوں رنگوں میں نمایاں ہوتے رہتے ہیں۔ یہ بات محتاج دلیل نہیں

ہے کہ جن لوگوں کی نظروں میں فضیلت، افراد کی شخصیت کا معیار نہیں ہے۔ وہ لوگ قہری طور سے اس کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے اور وہ اپنے ماحول سے متأثر ہو کر جو بھی صورت زندگی میں درپیش ہو اسی پر راضی برضا رہتے ہیں۔ ان کو اس کی کبھی فکر نہیں ہوتی کہ اس کا انجام کتنا وحشتناک ہے؟ یہیں سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ تمدن نہ کبھی اچھے اخلاق کا موجد ہوا ہے اور نہ ہی کبھی معاشرے کی سعادت و اصلاح کی ضمانت لے سکتا ہے۔

مشہور فرانسیسی مشہور ڈاکٹر کارل کہتا ہے: ہم کو ایک ایسی دنیا کی شدید ضرورت ہے جس میں ہر شخص اپنے لئے اپنی زندگی میں ایک مناسب مکان تلاش کر سکے جس میں مادیت و معنویت کا چولی دامن کا ساتھ ہو تاکہ ہم یہ معلوم کر سکیں کہ زندگی کسطرح بسر کریں۔ کیونکہ یہ بات تو ہم سب ہی جان چکے ہیں کہ زندگی کی گلیوں میں قطب نما اور راہبر کے بغیر چلنا بہت ہی خطرناک ہے اور اسی بات پر سب سے زیادہ تعجب ہے کہ اس کے باوجود یہ خطرات ہم کو معقول زندگی کے وسائل و اسباب تلاش کرنے پر کیوں نہیں آمادہ کرتے؟ اور صحیح بات تو یہی ہے کہ جو لوگ اس حقیقت کی طرف متوجہ ہیں ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ زیادہ تر لوگ اپنی من مانی زندگی بسر کرتے ہیں اور یہ لوگ آج کی مادی ٹیکنالوجی سے حاصل شدہ سہولتوں کے سمندر میں غرق رہتے ہیں اور وہ کسی بھی قیمت پر تمدن جدید سے ترک استفادہ پر تیار نہیں ہیں اور نہ اس کی طرف سے چشم پوشی کے لئے آمادہ ہیں۔ آج کی زندگی اس بڑی نہر کی طرح ہو گئی ہے جس کا پانی زمین کے نشیبی علاقہ کی طرف رواں دواں ہو۔ اسی طرح ہماری زندگی بھی تمناؤں کے دلفریب نشیب کی طرف تیزی سے بھاگ رہی ہے اور ہر قسم کی پستی و فساد میں الجھتی جا رہی ہے اور یہ صرف اس لئے کہ تمناؤں کو حاصل کر سکے اور اپنی شخصی نفع اندوزی کر سکے، لوگوں نے اپنے نفوس کے لئے نئی ضرورتوں کا میدان تلاش کر لیا ہے اور بڑی شدت کے ساتھ اس میدان میں اپنی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے دوڑ لگا رہے ہیں۔

لیکن اسی کے ساتھ کچھ ایسی بھی خواہشات ہیں جن کی تکمیل بہت آسان ہے، جیسے

خیبت، بکواس، سفسطہ وغیرہ حالانکہ یہ چیزیں شراب سے زیادہ نقصان دہ ہیں!

معاشرہ کی سب سے بڑی برائی جس کے بارے میں ہم بحث کرنا چاہتے ہیں "عیب جوئی و غیبت" ہے جس کے معنی کی وضاحت کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہر عام و خاص اس کے مفہوم کو سمجھتا ہے۔

● ● ●

(۲)

غیبت کے نقصانات

غیبت کا سب سے بڑا نقصان تو یہی ہے کہ غیبت کرنے والے کی معنوی و وجودی شخصیت ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے۔ جو لوگ غیبت کے عادی ہو گئے ہیں انھوں نے اپنی فکری موزونیت و نظم اخلاقی کو کھو دیا ہے، یہ لوگ عیوب کو اور رازوں کو ظاہر کر کے لوگوں کے دلوں کو زخمی کرتے ہیں۔

غیبت بزرگترین محل فضیلت کو ویران کر دیتی ہے اور انسان کے پاک و صاف خصائل و ملکات کو بہت جلد کمزور کر دیتی ہے بلکہ یہ غیبت خود غیبت کرنے والے کے دل میں فضیلتوں کی رگوں کو جلا دیتی ہے اور ناپید کر دیتی ہے۔ مختصر یہ کہ یہ بری عادت روشن افکار کو بدل کر اس کے ذہن کے سامنے فہم و تعقل کے دریچوں کو بند کر دیتی ہے۔

اگر آپ معاشرے کو گہری نظر سے دیکھیں تو اس غیبت نے پیکر اجتماع پر ضرب کاری لگا کر اس کو مجروح کر دیا ہے اور معاشرے کے اندر کینہ و دشمنی کو بڑھاوا دیا ہے۔ جس قوم کے اندر یہ صفت راسخ ہو گئی ہے اس نے قوم کی عظمت کو خاک میں ملا دیا ہے اس کی شہرت کو داغدار بنا دیا ہے۔ اور اس

ملت کے اندر ایسا شگاف ڈال دیا ہے جو بھرنے والا نہیں ہے۔

بڑے افسوس کے ساتھ ہم کو اس تلخ حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہئے کہ آج غیبت کا بازار ہر جگہ گرم ہے۔ اور اس نے ہر طبقہ کے اندر رخنہ پیدا کر دیا ہے جس طرح گیتی کے حادثات باہم مرتبط ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر لوگوں میں روحانی انحراف پیدا ہو جائے تو وہ ہر طبقہ میں سرایت کر جاتا ہے، غیبت کی وسعت دامانی کی وجہ سے لوگوں کے افق افکار پر مایوسی و بدبینی کی روح سایہ فگن ہو چکی ہے، آپسی اعتماد ختم ہو گیا ہے اس لئے جب تک اچھے صفات و روح یگانگت کا سایہ معاشرے پر نہ پڑے خلوص کا تحقق ناممکن ہے۔ جس معاشرے میں اخلاق پسندیدہ کا وجود نہ ہو وہ حیات کی نعمتوں سے محروم رہتا ہے۔

● ● ●

(۳)

اس روحانی بیماری کے اسباب اور اس کا علاج

ویسے تو غیبت ایک عملی بیماری ہے مگر اس کا ڈائریکٹ تعلق انسان کی روح سے ہے اور یہ ایک خطرناک روحانی بحران کی علامت و نشانی ہے جس کے سوتوں کو دل و جان کے گوشوں میں تلاش کرنا چاہئے۔ علمائے اخلاق نے اس کی پیدائش کے متعدد اسباب ذکر فرمائے ہیں جن میں اہم ترین، اسباب حسد، غصہ، خود خواہی، بدگمانی ہیں۔ انسان سے جتنے بھی کام سرزد ہوتے ہیں وہ ان مختلف حالات کی پیداوار ہوتے ہیں جن کا وجود انسان کے باطن میں ہوتا ہے اور انھیں اوصاف مذکورہ کے کسی ایک صفت کے نفس انسانی میں جڑ پکڑ لینے کی وجہ سے ــــ اور نفس کے اندر یہ صفت اس طرح چھپی ہوتی ہے جیسے راکھ میں چنگاری ــــ انسان کی زبان غیبت سے آشنا ہوتی ہے کیونکہ زبان ترجمان انسان ہے

اور جب کوئی صفت انسان کے دل میں راسخ ہو جاتی ہے تو وہ انسان کی آنکھوں کو اندھی کر دیتی ہے اور اس کے افکار پر تسلط حاصل کر لیتی ہے لوگوں میں شدت کے ساتھ غیبت کا رواج تکرار عمل اور اس کے عقوبت کی طرف سے غفلت کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ بہت سے گناہوں سے بچتے ہیں مگر غیبت جیسے عظیم گناہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے کیونکہ انکی عقوبت سے غافل ہوتے ہیں،

یہ بات یاد رکھئے کہ تکرار عمل اور ضعف تعقل کی وجہ سے انسان کا کام اس منزل تک پہونچ جاتا ہے کہ اس کے نقصانات کی طرف متوجہ ہو جانے کے بعد بھی اپنی نفسانی خواہش سے صرف نظر نہیں کر سکتا. کیونکہ بشر اگرچہ ایک حد تک حقائق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اپنی فطرت کے مطابق جویائے کمال رہتا ہے، لیکن عمل سے مسلسل گریزاں رہتا ہے اور حصول سعادت کے لئے معمولی سا رنج و غم برداشت کرنے پر تیار نہیں ہوتا اسی لئے اپنی پست فطرتی کا محکوم ہوتا ہے۔

جو لوگ اپنی اور دوسروں کی شرافت کی حفاظت کے پابند نہیں ہوتے وہ کسی بھی اخلاقی آئین کے پابند نہیں ہوتے بلکہ ان کا اخلاقی آئین کی پابندی قبول کر لینا امر محال ہے۔ اور جن لوگوں نے حیات کو اپنی شہوتوں کا میدان قرار دے لیا ہے اور دوسروں کے حقوق کو پامال کرتے رہتے ہیں بدبختی و بدنصیبی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔

ضعفِ اخلاق ضعفِ ایمان ہی سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ ضعفِ اخلاق مکمل طریقے سے ضعفِ عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے. کیونکہ اگر انسان قوت ایمان نہ رکھتا ہوگا تو پھر کوئی بھی چیز نہ اس کو کسب فضیلت پر آمادہ کر سکتی ہے اور نہ وہ اخلاقی پابندیوں میں اپنے کو جکڑ سکتا ہے۔

لوگوں کو ضلالت و اخلاقی مفاسد سے نکالنے کیلئے اپنے اپنے سلیقہ و استعداد کے مطابق الگ الگ رائے ہوتی ہے. لیکن (میری نظر میں) مؤثر ترین طریقہ یہ ہے کہ موجبات اصلاح خود لوگوں کے اندر پیدا ہو جائیں. اور اس کے لئے نیک جذبات کو بیدار کرنا فطرت کی آواز پر لبیک کہنا، اور فکری ذخیروں کو راہِ حصول سعادت میں صرف کرنا ہے. اس لئے کہ صفات ذمیمہ کے بُرے انجام کو سوچ کر اور ارادہ کو

مضبوط بنا کر ہم اخلاقی رذائل پر کنٹرول حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اپنے نفسوں پر سے تاریکی کے پردوں کو ہٹا کر ان کی جگہ بلند صفات کو دے سکتے ہیں۔

ڈاکٹر ژراگو اپنی کتاب "قدرت و ارادہ" میں کہتا ہے: ہم ناپسندیدہ صفات کے بُرے انجام کو سوچ کر اور اس عادت کے ترک کرنے کے بعد جو مصالح و منافع ہم کو حاصل ہوں گے ان میں غور کرنے پر اور پھر زندگی کے ان مختلف مواقع کو سامنے لا کر جن میں ہم اس عادت کی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھ چکے ہیں" برے صفات کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور پھر جب چند بار اپنے اندر ان نتائج کا مشاہدہ کریں گے اور اس کے ترک کر دینے کی لذت کو محسوس کریں گے تو وسوسے ہم سے دور ہو جائیں گے!!

چونکہ وجودِ بشر میں استعدادِ کمالات کی بذر افشانی کی جا چکی ہے اور کشورِ جسم کو تمام دفاعی وسائل سے مجہز کیا جا چکا ہے اس لئے پہلے اس گمراہی و ضلال کے منشاء کو تلاش کیا جائے اس کے بعد ناقابل تزلزل ارادہ سے اس کو لوحِ دل سے محو و معدوم کر دیا جائے۔ اور اپنی غیر متناہی خواہشات کے سامنے مضبوط باندھ بنا دیا جائے۔

چونکہ انسان کے اعمال اس کی واقعیت و شرف کے مظاہر ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انھیں افعال سے ہر انسان کی واقعی شخصیت ظاہر ہوتی ہے اس لئے اگر انسان حصولِ سعادت کرنا چاہتا ہے تو اس کا فریضہ ہے کہ اپنے اعمال کا تزکیہ کرے اور خدا کو اپنے اعمال کا نگراں تسلیم کرے اور آخرت کے جزا سے خائف ہو، کتاب الٰہی پر عقیدہ رکھے کہ وہ ہر چھوٹے بڑے گناہ کا احصاء کرنے والی ہے۔

ایک فلسفی کہتا ہے: کائنات کو بے عقل، مردہ اور بے شعور نہ کہو کیونکہ ایسا کہنے پر بے عقلی کی نسبت تم نے خود اپنی طرف دی ہے۔ کیونکہ تم بھی اسی کائنات سے ظاہر ہوئے ہو۔ پس اگر کائنات میں عقل و حس نہیں ہے تو خود تمہارے اندر بھی نہیں ہوگی۔

جس قدر معاشرہ بقائے حیات کے لئے زندگی کے لوازم اولیہ کا محتاج ہے اسی قدر معاشرہ

روحانی روابط کے برقراری کا محتاج ہے۔ اگر لوگ اپنے سنگین اجتماعی وظیفہ پر عمل پیرا ہو جائیں۔ تو اپنے تکامل کے لئے معنویات سے بہت بڑا فائدہ اٹھا سکتے ہیں ہمارا فریضہ ہے کہ نقصان دہ افکار کی جگہ اچھے افکار کو اپنے اندر تقویت بخشیں تاکہ ہماری روح تاریکیوں کی قید و بند سے آزاد ہو سکے۔ اور اپنی زبان کو غیبت سے محفوظ رکھ کر جاوداں مقصدِ سعادت کی طرف پہلا قدم اٹھا سکیں اسی طرح ہمارا فریضہ ہے کہ معاشرے میں بڑھتے ہوئے اخلاقی مفاسد کا مقابلہ کرنے کیلئے لوگوں میں ایک روحانی انقلاب پیدا کریں۔ اور اپنے ہم نوع افراد کے حقوق کے احترام کی روح کو زندہ کر کے اصول انسانیت و معنوی بنیادوں کو استوار کریں، حتی المقدور کوشش کریں کہ جن اخلاقی بنیادوں پر معاشرے کی بقاء موقوف ہوتی ہے ان کے استحکام کیلئے اسی قدم اٹھائیں۔ اگر لوگوں کے اندر ایک روحانی انقلاب پیدا ہو جائے تو یقینی طور سے حقائق کے قبول کرنے کی صلاحیت بھی لوگوں میں قوی ہو جائے گی اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اجتماعی و اخلاقی اصولوں کی مکمل طور سے رعایت ہو سکے گی۔

● ● ●

(۴)

دین کی فاسد اخلاق سے جنگ

قرآن مجید ایک مختصر اور رساترین جملہ میں بہت ہی دلچسپ انداز سے غیبت کی حقیقت کو بیان کرتا ہے

اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا (پ ۲۶ (س ۴۹) حجرات، آیۃ ۱۲)۔

کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے،

مذہبی رہنماؤں نے جس طرح ترک دینی کا مقابلہ کیا ہے اسی طرح اندرونی صفات کے

اصلاح کی طرف ضرورت سے زیادہ توجہ دی ہے. حضور سرورِ کائنات فرماتے ہیں: مجھے اس لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے تاکہ مکارم اخلاق کو منزل کمال تک پہونچادوں. اسی لئے آپ نے بڑی متین منطق اور سعادت بخش پروگرام کے ذریعہ لوگوں کی رہبری فرمائی ہے اور حدود فضیلت سے باہر جانے کو جرم قرار دیا ہے اور بڑی سختی کے ساتھ اس سے روکا ہے. نہ صرف غیبت کا سننا اور غیبت کرنا گناہ ہے بلکہ شارع اسلام نے شخص غائب کی حیثیت کا دفاع جو ہر مسلمان کا فریضہ قرار دیا ہے اس کی بھی خلاف ورزی ہے. چنانچہ ارشاد رسولخداؐ ہے: اگر کسی مجمع میں کسی شخص کی غیبت کیجائے تو تمہارا فریضہ ہے کہ جس کی غیبت کی جارہی ہے اس کا دفاع کرو اور لوگوں کو اس کی غیبت سے روکو اور وہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ [1]

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں: جو شخص اپنے برادر مومن کی غیبت کا دفاع کرے اللہ پر اسکا حق ہے کہ اس کے جسم کو جہنم سے بچائے [2]

جو شخص بھی اپنے برادر مومن کی عدم موجودگی میں اس کی آبرو کا دفاع کرتا ہے خدا اس کو عذاب جہنم سے بچالیتا ہے، آنحضرتؐ فرماتے ہیں: جو شخص کسی مسلمان کی غیبت کرتا ہے خدا چالیس دن تک اس کی نماز اور اس کے روزے کو قبول نہیں کرتا. ہاں جس کی غیبت کی گئی ہے اگر وہ معاف کردے تب قبول کرلیتا ہے، ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں: جو شخص کسی مسلمان کی ماہِ رمضان میں غیبت کرتا ہے خدا اس کے روزے کے اجر کو ختم کر دیتا ہے [3]

پیغمبرؐ اسلام واقعی مسلمان کی پہچان بتاتے ہوئے فرماتے ہیں: وہی شخص مسلمان ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے تمام مسلمان محفوظ رہیں بہت ہی واضح سی بات ہے کہ غیبت کرنے والا حصار فضیلت سے باہر ہو جاتا ہے. اور اپنے کو انسانیت کی نگاہ میں ذلیل کرلیتا ہے مسلمانوں کا اجماع ہے کہ غیبت گناہِ کبیرہ ہے کیونکہ غیبت کرنے والا علاوہ اس کے کہ دستور الٰہی کی مخالفت

---

[1] نہج الفصاحہ ص ۴۸۰ [2] نہج الفصاحہ ص ۶۱۳ [3] بحار الانوار ج ۱۶ ص ۱۷۹

کرتا ہے۔ وہ حق خدا کی بھی رعایت نہیں کرتا ہے اور حقوق مردم پر تعدی کرتا ہے۔

جس طرح مردہ جسم اپنا دفاع نہیں کرسکتا اور نہ اپنے بدن پر ہونے والے ظلم کو روک سکتا ہے بالکل اسی طرح شخص غائب اپنی آبرو کی حفاظت نہیں کرسکتا اور نہ اس کا دفاع کرسکتا ہے جس طرح مسلمان کے جان کی حفاظت ضروری ہے۔ اسی طرح اس کے آبرو کی بھی حفاظت ضروری ہے۔

غیبت و بدگوئی کی علت روحانی دباؤ اور رنج و غم ہوتا ہے۔ حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں:

کمزور و ناتوان شخص کی انتہائی کوشش غیبت کرنا ہے [1]

ڈاکٹر ہیلن شاختر کہتا ہے: انسان کی جو بھی حاجت پوری نہیں ہوتی وہ رنج والم کا سبب بن جاتی ہے۔ اور ہر رنج و غم ہم کو اسکے دفاع و تدبیر پر آمادہ کرتا ہے لیکن الم و تکلیف کے دور کرنے کا طریقہ ہر شخص کا ایک جیسا نہیں ہوتا۔ جب انسان دوسروں کو دیکھتا ہے کہ وہ اس کی طرف اس طرح متوجہ نہیں ہوتے جس طرح وہ چاہتا ہے تو وہ گوشہ نشین ہوجاتا ہے۔ اور اس خوف سے کہ کہیں لوگوں کے درمیان اس کی ذلت و رسوائی نہ ہوجائے وہ ملنے جلنے پر تنہائی اور گوشہ نشینی کو ترجیح دیتا ہے۔ اور اگر لوگوں کے درمیان بیٹھتا بھی ہے تو مضطرب، پریشان خوفزدہ ہوکر ایک کنارہ میں بیٹھتا ہے۔ اور ایک کلمہ بھی نہیں کہتا خاموش و ساکت بیٹھا رہتا ہے اور یا پھر اپنے احساس کمتری کو دور کرنے کیلئے دوسروں سے مسخرہ پن کرتا ہے اور بے جا قہقہے لگاتا ہے، اور یا غیر موجود لوگوں کی بدگوئی کرتا ہے۔ یا موجودہ لوگوں سے جھگڑنے لگتا ہے۔ اور یا دوسروں پر اعتراض کرنے لگتا ہے، ان تمام طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کو اپنا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا ہے [2]

ڈاکٹر مان اپنی کتاب (اصول علم نفس) میں کہتا ہے: اپنی شکست کا جبران کرنے کیلئے اور اپنے عیوب کی پردہ پوشی کے لئے انسان کبھی تو اپنے گناہ کو دوسروں کے سر منڈھ دیتا ہے اور اسطرح

---

[1] غرر الحکم ص ۳۶ [2] رشد شخصیت

اپنی ذات کے احترام کو اپنی نظر میں محفوظ کرتا ہے۔ اور اگر امتحان میں فیل ہو گیا تو کبھی معلم کو اور کبھی امتحانی سوالات کی ملامت کرتا ہے۔ اور اگر وہ اپنے حسب منشاء مقام و عہدہ نہیں پاتا تو کبھی اس عہدے کی برائی کرتا ہے۔ اور کبھی اس شخص کی جو اس عہدے پر فائز ہے۔ اس کی ملامت کرتا ہے۔ اور کبھی اپنی شکست کی پوری ذمہ داری ایسے دوسرے لوگوں کے سر ڈال دیتا ہے، جن کا اس سے کوئی واسطہ بھی نہیں ہوتا۔

ان چیزوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خود ہمارا فریضہ ہے کہ ایک روحانی جہاد کر کے خلوصِ نیت کے ساتھ اپنے بلند جذبات کو تقویت پہونچائیں۔ اور سب سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح و تہذیب کی کوشش کریں۔ تاکہ سرزمینِ نیک بختی پر قدم جما سکیں۔ اور اپنے معاشرے کی ہر پہلو سے اصلاح کر سکیں۔

● ● ●

(۷)

تجسّس وعیب جوئی

① اپنے سے بے خبری

② عیب جو گروہ

③ مذہبی تعلیم کی تحقیق

④ خود شناسی کے اصول

(۱)

اپنے سے بے خبری

انسان کی ایک ایسی سب سے بڑی اخلاقی کمزوری جو ناقابل علاج ہے وہ اپنے سے بے خبری ہے، زیادہ تر گمراہی و تباہی اسی بے خبری و جہالت کی وجہ سے ہوتی ہے اس لئے کہ بہت سے صفات اور ناپسندیدہ ملکات اسی بے خبری کی بنا پر مسکن دل میں بیٹھ جاتے ہیں اور انسان کی بدبختی کی بنیاد کو مضبوط کر دیتے ہیں. اور جب انسان اپنے سے بےخبری کی بنا پر اپنے سے غافل ہو جاتا ہے. تو اس کی روح فضیلت مر جاتی ہے. اور وہ اپنے جذبات و خواہشات کا اسیر ہو کر جاودانی سعادت سے محروم ہو جاتا ہے اور جب انسان اس منزل پر پہونچ جاتا ہے. تو پھر کسی بھی قسم کی اخلاقی ہدایت و نصیحت اس کے لئے بیکار ہو جاتی ہے۔

اصلاح نفس کی سب سے بڑی شرط اپنے نفسانی عیوب کا ادراک کرنا ہے کیونکہ آگاہ و مطلع ہونے کے بعد ناپاکی اور رذائل کی زنجیروں کو توڑا جا سکتا ہے. اور بُری صفتوں کے خطرناک نتائج سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے. تربیت نفس کے لئے نفس کے خصوصیات کے بارے میں غور و فکر کرنا بہت اہمیت رکھتا ہے. اس لئے کہ انسان اپنے کمالِ معنوی و اخلاقی تک صرف اسی راستہ سے پہونچ سکتا ہے اور یہی مطالعۂ نفس انسان کو اس بات پر متمکن کر دیتا ہے کہ وہ نفس کے نقائص و کمالات کا ادراک کر سکے اور مختلف صفات کے انبوہ شیطانی صفات کو دور کر سکے. اور نفس کے آئینہ کو اساسی تصفیہ کے ساتھ گناہوں کے گرد و غبار سے پاک کر سکے،

اگر ہم نے اپنے اعمال کے آئینہ میں سہل انگاری کی بنا پر اپنی واقعی صورت کو نہیں دیکھا تو اس عدم توجہ کی بنا پر ہم نے ایک ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہے جو معاف کئے جانے کے لائق نہیں ہے سب سے پہلے ہمارا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے ذاتی خصوصیات کی تحقیق کریں اور نفسانی صفات کی نوعیت کو برملا دیکھیں تاکہ اپنے سے بے خبری کے عالم میں ہمارے اندر جن عیوب نے نشوونما پائی ہے اور انھوں نے اپنی جڑوں کو مضبوط کر لیا ہے ان کو سعی مسلسل کے ذریعہ بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکیں اور اپنی زندگی میں ان کو سر نہ اٹھانے دیں اور یا پھر ان کو بے لگام چھوڑ دیں تاکہ وہ ہم کو جس قعر مذلت میں چاہیں ڈھکیل دیں۔

اس میں شک نہیں ہے کہ نفس کی اصلاح کوئی معمولی چیز نہیں ہے اور نہ آسانی کے ساتھ اس کام کو انجام دیا جا سکتا ہے۔ بلکہ اس کے لئے طویل مشقتوں کو برداشت کرنے کی اور استقامت و پائداری کی ضرورت ہے۔ بری عادتوں کو ختم کر کے ان کی جگہ اچھی اور نئی عادتوں کو متمکن کرنے کے لئے عیوب کی معرفت کے ساتھ ساتھ ایک ایسے مضبوط و غیر متزلزل ارادہ کی بھی ضرورت ہے۔ جو انسان کو مقصد تک پہونچا سکے۔ ہم اپنے اعمال کو جس قدر منظم کریں گے۔ ہمارے افکار میں بھی اسی قدر نظم و ترتیب پیدا ہوتی جائے گی۔ اور ہر قدم کا نفع بخش اثر انجام کار کے بعد روشن ہو جائے گا۔

مشہور دانشمند پروفیسر کارل لکھتے ہیں: رفتار زندگی کو عاقلانہ بنانے کے لئے سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ روزانہ صبح کو اس دن کے اعمال کے بارے میں غور و فکر کر کے ایک مکمل پروگرام بنالیں۔ اور ہر شب ان اعمال کے نتائج پر غور کر لیا کریں اور جس طرح ہم پہلے ہی سے سوچ لیتے ہیں کہ ہمارا کام کس وقت شروع ہوگا اور کس وقت ختم ہوگا اور ہم کو کن لوگوں سے ملاقات کرنی ہے۔ آج کیا کھانا ہے کیا پینا ہے اور آج ہم کو کتنا نفع ملے گا اسی طرح ہم کو پہلے ہی سے یہ بھی طے کر لینا چاہئے کہ دوسروں کی کیا مدد کرنی ہے اور کس طرح سے کاموں میں اعتدال پیدا ہو سکے گا۔

بری عادتیں بعینہ جسم کے میل کی طرح ہیں۔ لہذا جس طرح جسم کے میل کچیل کو دھونا اور صاف کرنا ضروری ہے، اسی طرح بُری عادتوں کو دور کرنا بھی ضروری ہے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ سونے سے پہلے اور بیدار ہونے کے بعد معمولی کسرت کرتے ہیں۔ تاکہ عضلات میں نرمی پیدا ہو جائے۔ اسی طرح اس سے کم اہمیت اس بات کی نہیں ہے کہ روزانہ تھوڑی دیر اپنے اخلاق و افکار و ارواح کی بھی تربیت کریں کیونکہ روزانہ یہ سوچنے سے کہ کون سا طریقہ کار اختیار کریں اور کیا کریں جس سے رفتار زندگی متوازن رہے ہم میں یہ قدرت پیدا ہو جائے گی کہ اپنی عقلوں کو اپنے ارادوں کو تقویت عطا کر سکیں۔ اور اس ترتیب سے عمل کرنے پر ہمارے شعور کی گہرائی میں ایک منفی آئینہ پیدا ہو جائے گا۔ جس میں ہر شخص اپنے چہرے کو بے نقاب دیکھ سکے گا۔ ہمارے اصول زندگی برتنے کی توفیق مکمل طریقے سے ہماری باطنی زندگی سے مرتبط ہے۔ اس لئے جسطرح ہوشیار تاجر آمدنی و خرچ کا رجسٹر رکھتا ہے اور دانشمند اپنے تجربات کی کتاب کے اوراق کو منظم رکھتا ہے اسی طرح ہم میں سے ہر فرد کے لئے ضروری ہے ــــ خواہ وہ فقیر ہو یا مالدار، جوان ہو یا بڈھا، عالم ہو یا جاہل ــــ کہ روزانہ کی اچھائیوں اور برائیوں کو منضبط رکھے۔ اب اگر کسی نے بڑے صبر و ثبات کے ساتھ اس روش کو اپنا لیا تو اس کی روح میں ہی نہیں بلکہ جسم میں بھی تغیر پیدا ہو جائے گا۔

ایک متین و معقول شخص اپنی طاقتوں اور کوششوں کو ہمیشہ شائستہ چیزوں میں صرف کرتا ہے، جس کی شخصیت جتنی محترم ہوتی ہے وہ دوسروں کی شخصیت کا بھی اسی قدر احترام کرتا ہے اور وہ ان تمام چیزوں سے پرہیز کرتا ہے جس سے دوسروں کے جذبات کو ٹھیس لگتی ہو۔ کیونکہ ہر انسان کا تعارف اسکے روزانہ کے ان افعال سے ہوتا ہے جو وہ اپنے معاشرے میں دوسروں کے ساتھ برتتا ہے۔ ایک بزرگ سے پوچھا گیا: سب سے مشکل چیز کیا ہے اور سب سے آسان کام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا سب سے مشکل چیز یہ ہے کہ انسان اپنے کو پہچان لے اور سب سے آسان کام یہ ہے کہ دوسروں کی

عیب جوئی کرے۔

• • •

(۲)

عیب جوگروہ

کچھ لوگوں میں ایک منحوس عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ دوسروں کی لغزشوں اور بھیدوں کی تلاش میں رہا کرتے ہیں تاکہ ان لوگوں پر نقد و تبصرہ کریں ان کا مذاق اڑائیں ان کی سرزنش کریں، حالانکہ خود ان لوگوں کے اندر اتنے عیوب ہوتے ہیں اور اتنی کمیاں ہوتی ہیں جو کم و کیف کے اعتبار سے ان کے فضائل پر غالب ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ لوگ اپنے عیوب سے غافل ہو کر دوسروں کے عیوب تلاش کرتے رہتے ہیں۔ یاد رکھئے لوگوں کے عیوب کی تلاش ایسی منحوس صفت ہے جو انسان کی زندگی کو آلودہ کر دیتی ہے اور اسکی اخلاقی شخصیت کو گرا دیتی ہے۔

جو چیز انسان کو دوسروں کی عیب جوئی پر ابھارتی ہے وہ احساس کمتری و پست فطرتی ہے۔ اور غرور و تکبر، خود پسندی سے اس صفت کو تقویت ملتی ہے اور اس کی ہی وجہ سے انسان اپنی زندگی میں بڑی اور زیادہ غلطیوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور اس عیب جوئی کی وجہ سے انسان کے اخلاق اور اس کی روحانیت میں جو تغیرات پیدا ہوتے ہیں وہ انسان کو بڑے غلط اور نامردانہ قسم کی غلطیوں پر جری بنا دیتے ہیں۔

عیب جو حضرات اپنے افکار کو ایسی چیزوں میں صرف کرتے ہیں جو کسی بھی طرح عقل و خرد

کے نزدیک اور شرع کی نظر میں بھی پسندیدہ نہیں ہیں. کیونکہ یہ لوگ اپنے جانے پہچانے دوستوں کے اعمال کے تجسس میں لگے رہتے ہیں کہ دوسروں کی کوئی بھی کمزوری ان کے ہاتھ لگ جائے تو اسی کو لے اڑیں اور دوستوں پر نقد و تبصرہ کے ساتھ ان کو بدنام کرتے پھریں اور جس قدر بھی ممکن ہو دوستوں کو لوگوں کی نظروں میں ذلیل و رسوا کریں. اور چونکہ یہ لوگ دوسروں کی عیب جوئی میں لگے رہتے ہیں لہذا ان کو اتنی فرصت بھی نہیں ملتی کہ اپنے عیوب کو تلاش کر سکیں. اور اسی لئے اس قسم کے لوگ زندگی کی ہدایت و اصلاح کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں. اور اصولاً اس قسم کے لوگ بزدل ہوتے ہیں. شجاع نہیں ہوتے. لہذا یہ کسی قید و بند کو بھی قبول نہیں کرتے اور نہ دوسروں کی عزت و حرمت کا احترام ان کی نظروں میں ہوتا ہے. یہ لوگ اپنے سے قریب ترین شخصوں کے ساتھ بھی خلوص نہیں برت سکتے. اسی لئے جہاں یہ لوگ دور کے لوگوں کے عیوب بیان کرتے ہیں. وہاں موقع ملنے پر قریب ترین دوستوں کی بھی برائی بیان کرنے لگتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں کو ایسے سچے دوست نہیں مل پاتے جو واقعی دوست ہوں. اور اس کی محبت کے زیر سایہ لوگ اپنے جذبات کو سکون عطا کر سکیں.

انسان کی شرافت و بزرگی خود اس کے ہاتھ میں ہے جو شخص دوسروں کی شخصیت کو مجروح کرے گا. اس کی شخصیت بھی قہری طور سے مجروح ہو جائے گی.

یہ ممکن ہے کہ عیب جو اپنے عمل کے نتیجہ سے بے توجہ ہو لیکن وہ بہر حال اپنے اس عمل کی وجہ سے بدگوئی سے محفوظ نہیں رہ سکتا کیونکہ عیب جو اپنی اس حرکت کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں حسد کینہ بغض کا جو بیج بو چکا ہے اس کا بھگتان تو بھگتنا ہی ہوگا. اور اس کو اپنے اس فعل کے نتیجہ میں ندامت و پشیمانی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آئے گا. اس لئے کہ عیب جو بقول بزرگان: کبوتر کی طرح نہیں ہے کہ اگر آشیانہ سے اڑ جائے تب بھی دوبارہ واپسی کی امید منقطع نہیں ہوتی.

جو شخص لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ اپنے فرائض پر عمل کرے

یعنی ہمیشہ لوگوں کی خوبیوں پر نظر رکھے، ان کے نیک اعمال کو اپنے ذہن میں رکھے اور ان کے اچھے اخلاق واچھے کردار کی قدر دانی کرے۔ جن عادتوں یا صفتوں سے دوسروں کی شخصیت مجروح ہوتی ہو اور جو باتیں اصول دوستی کی مخالف ہوں۔ ان سے اجتناب کرے۔ کیونکہ محبت کو دوام محبت ہی سے ملتا ہے اور بقائے احترام طرفین سے ہوا کرتا ہے۔ پس جو شخص اپنے دوستوں کے عیوب پر پردہ ڈالنے کا عادی ہوگا۔ اس کی محبت باقی رہے گی اور اس کی محبت کو دوام حاصل ہوگا۔ لہٰذا اگر کسی دوست میں کوئی کمزوری دیکھو تو اس کے پیٹھ پیچھے اس کی برائی بیان کرنے کے بجائے کسی مناسب موقع پر اس کو اس بات کی طرف بہت خوش اسلوبی سے متوجہ کر دو۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھیئے کہ اگر دوست کی کسی کمی پر اس کو متوجہ کرنا ہے تو اس میں بھی بڑی مہارت کی ضرورت ہے اس کو ایسی خوش اسلوبی سے متوجہ کیجئے کہ اس کو تکلیف نہ پہونچے اس کے احساسات وجذبات کو ٹھیس نہ لگے۔ ایک مربّیٔ اخلاق کا کہنا ہے: تمہارے لئے یہ ممکن ہے کہ اپنے مخاطب (دوست) کو اشارے سے، حرکت سے، اس کی غلطی پر متوجہ کر دو۔ اس سے گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اگر تم نے اپنے دوست سے یہ کہدیا کہ تمہارے اندر یہ کمی ہے تو کسی قیمت پر تم اس کو اپنا ہم عقیدہ نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ تم نے ڈائرکیٹ یہ بات کہہ کر اس کی عقل وفکر پر حملہ کیا ہے اس کی خود پسندی کو مجروح کیا ہے۔ آپ کے اس طریقہ کار سے وہ اپنی ضد پر اڑ جائے گا۔ اور اپنے عمل میں کوئی تغیر نہیں کرے گا۔ آپ چاہے افلاطون وارسطو کی ساری منطق اس پر صرف کر دیں۔ لیکن اس کا باطنی عقیدہ نہیں بدل پائیں گے۔ کیونکہ آپ نے اس کے پندار کو زخمی کر دیا ہے۔ گفتگو کرتے وقت کسی صورت میں اس لہجے سے گفتگو کی ابتداء نہ کیجئے: میں آپ کی غلطی کو ثابت کر دوں گا میرے پاس اس کے لئے مضبوط دلیلیں ہیں! کیونکہ اس قسم کی گفتگو کا مفہوم یہ ہے کہ آپ اس سے زیادہ عقلمند ہیں۔ لوگوں کے افکار کی اصلاح عام حالات میں دشوار ہوتی ہے، چہ جائیکہ جب اس کے سامنے بند باندھ دیا جائے اگر کسی نکتہ کو ثابت ہی کرنا چاہتے ہوں تو پہلی

بات یہ ہے کہ اس پر کسی کو مطلع نہ کیجئے اور اتنی ہوشیاری و مہارت سے اس کام کو انجام دیجئے کہ کوئی سوچ بھی نہ سکے کہ آپ کا مقصد کیا ہے اس سلسلہ میں شاعر کی اس نصیحت پر عمل کیجئے:

لوگوں کو اس طرح تعلیم دو کہ کوئی تم کو معلم نہ سمجھے۔

● ● ●

(۳)

مذہبی تعلیم کی تحقیق

قرآن مجید عیب جو حضرات کے بُرے انجام سے ڈراتے ہوئے ان کے اس بُری عادت کا نتیجہ بتاتا ہے: وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ (پ ۳۰ ع ۱ (ہمزہ) آیۃ ۱) ہر طعنہ دینے والے چغلخور کیلئے ویل ہے

اسلام نے معاشرہ کی وحدت کی حفاظت کیلئے زندگی کے اندر اصولِ ادب کی رعایت کو ضروری قرار دیا ہے اور عیب جوئی ۔ جو تفرقہ کا سبب اور دوستانہ روابط کے قطع کرنے کی علت ہے۔ کو حرام قرار دیا ہے۔ مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ ایک دوسرے کے احترام کو باقی رکھیں۔ اور کسی کی اہانت نہ کریں! امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: ایک مؤمن کو دوسرے مؤمن سے اس طرح سکون ملتا ہے جس طرح پیاسے کو ٹھنڈے پانی سے سکون ملتا ہے [۱]

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: ایک انسان کے اخلاقی عیب کے اثبات کیلئے یہی بات کافی ہے کہ وہ دوسروں کے جس عیب کو دیکھتا ہے اسی عیب کو اپنے یہاں نہیں دیکھ پاتا۔ یا یہ کہ دوسروں کو جس کام پر سرزنش کرتا ہے وہی کام خود بھی کرتا ہے یا اپنے دوست کو لایعنی باتوں سے آزار پہونچاتا ہے [۲]

---

[۱] کافی ج ۲ ص ۲۴۷ [۲] کافی ج ۲ ص ۴۵۹

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: خبردار! لوگوں کے عیوب تلاش کرنے والوں کی صحبت سے پرہیز کرو کیونکہ ان لوگوں کا ہم نشین بھی ان کی عیب جوئی سے نہیں بچ سکے گا۔[1]

اس سلسلہ میں حضرت علیؑ نے بہت اچھی بات فرمائی ہے: تمہارے نزدیک سب سے برگزیدہ ترین اس شخص کو ہونا چاہئے جو تم کو تمہارے نقص و عیب کیطرف متوجہ کرے اور تمہاری روح و جان کی مدد کرے، ویل کارنگی کہتا ہے: ہمیں اور آپ کو بڑی خوشی کے ساتھ اپنے خلاف ہونے والے نقد و تبصروں کو قبول کرلینا چاہئے۔ کیونکہ ہم اس سے زیادہ کی توقع نہیں کرسکتے کہ ہمارے اعمال و افکار کا ۳/۴ حصہ صحیح و درست ہو۔ حد یہ ہے کہ عصر حاضر کا عمیق ترین مفکر آئنسٹائن بھی اس بات کا معترف ہے کہ اس کے سو میں ننانوے ۹۹/۱۰۰ استنتاجات مبنی بر اشتباہ تھے۔ جس وقت بھی کوئی دشمن ہم پر نقد و تبصرہ کرتا ہے "اگر ہم مواظب نہ ہوں تو بغیر یہ جانے ہوئے کہ ہمارا مخاطب ہم سے کیا کہنا چاہتا ہے" تو خود بخود ہمارے اندر دفاع کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور میں جب بھی یہ کام کرتا ہوں اپنے سے متنفر ہو جاتا ہوں۔ ہم میں سے ہر شخص اپنے اوپر نقد و تبصرہ سن کر چیں بہ جبیں ہو جاتا ہے اور تعریف و تحسین سے خوشحال ہو جاتا ہے بغیر یہ سوچے ہوئے کہ ہماری جو تنقید یا تحسین کیجا رہی ہے وہ غلط ہے یا صحیح؟!

دراصل ہم استدلال و منطق کی مخلوق نہیں ہیں بلکہ ہم احساسات و جذبات کی مخلوق ہیں۔ ایک گہرے و تاریک و متلاطم سمندر میں جس طرح ایک چھوٹی سی کشتی ادھر ادھر اچھلتی رہتی ہے اسی طرح ہماری عقل و منطق بھی ہے ہم میں سے اکثر لوگ اپنے بارے میں بہت زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن جب چالیس سال پیچھے کیطرف دیکھتے ہیں تو اپنی موجودہ حالت پر ہنسی آتی ہے انتھی۔

معصومؑ نے فرمایا: اگر کوئی دوسروں کے عیوب تلاش کرتا ہے تو اس کو پہلے اپنی ذات سے ابتدا کرنی چاہئے[2] ڈاکٹر ہیلن شاختر کہتا ہے: دوسروں کی رفتار و گفتار پر بے جا اعتراض کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ان کی مدد کریں اور اگر دوسروں کی ہدایت کرنا ممکن ہو تو اس سے زیادہ واجب یہ ہے کہ اپنی تکلیفوں

---

[1] غرر الحکم ص ۱۴۸ [2] غرر الحکم ص ۶۵۹

کا علاج کریں۔ یعنی بے ریاکاری اور بے پرواہی کے ساتھ اپنی کمیوں اور عیبوں کو سامنے رکھیں۔ اور اس کے علاج کی کوشش کریں!!!

جاہل شخص اپنے عیوب کو دور کرنے کے بجائے اس کے چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: انسان کی خود فریبی و نادانی کیلئے یہی کافی ہے کہ دوسروں کے عیوب کا مشاہدہ کرتے ہوئے اپنے عیوب کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے[1]

ڈاکٹر آویبوری کہتا ہے: ہم اپنی جہالت کی وجہ سے اپنے بہت سے عیوب سے چشم پوشی کرتے ہیں اور ان عیوب پر غفلت و تجاہل کا پردہ اس لئے ڈالتے ہیں تاکہ اپنے نفس کو دھوکہ دے سکیں۔ سب سے زیادہ اس پر تعجب ہے کہ ہم اپنے عیبوں کو تو لوگوں کی نظروں سے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ان کے اصلاح کیطرف بالکل نہیں سوچتے اور اگر ہمارا کوئی ایسا عیب ظاہر ہو جائے جس کے چھپانے پر ہم قادر نہ ہوں۔ تو ہزاروں ایسے عذر پیدا کر لیتے ہیں جس سے اپنے نفس کو راضی کر سکیں۔ اور دوسروں کو بیوقوف بنا سکیں۔ اور اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کی نظروں میں اس عیب کی اہمیت کم کر سکیں۔ حالانکہ ہم اس حقیقت سے غافل ہوتے ہیں کہ عیب چاہے جتنا ہلکا ہو وہ مرور ایام کے ساتھ ثقیل ہوتا جاتا ہے۔ جیسے بیج رفتہ رفتہ بہت بڑا درخت بن جاتا ہے[2]

آج علمائے نفس کے یہاں یہ بات پایہ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ نفس کی بیماریوں اور اس کے علاج کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ نفس کا مطالعہ کیا جائے اور اس کے بارے میں غور و فکر کی جائے حضرت علیؑ نے بھی نفسانی بیماریوں کا علاج اسی طرح بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ہر عقلمند پر لازم ہے کہ اپنے نفس (کی بیماریوں) کا احصا کرے اور ایمان و عقیدہ و اخلاق و آداب کے سلسلہ میں نفس و روح کے مفاسد و رذائل کو حاصل کر لے یا ان کو اپنے سینہ میں محفوظ کر لے یا کسی ڈائری میں لکھ لے اس کے بعد ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کیلئے اقدامات کرے[3]

---

[1] غرر الحکم ص ۵۵۹ [2] در جستجوئے خوش بختی [3] غرر الحکم ص ۴۴۸

(۴)

خود شناسی کے اصول

اس سلسلہ میں علم نفس کا ایک عالم لکھتا ہے: ایک پُر سکون کمرہ میں اکیلے خاموش بیٹھ جاؤ اور گھر والوں سے کہہ دو کہ کوئی بھی مجھے ڈسٹرب نہ کرے جگہ جتنی پُر سکون و آرام دہ ہو۔ اور تم بھی جس قدر آرام سے ہو کسی قسم کی جلدی نہ ہو اتنا ہی بہتر ہے جب تم کسی کام کو کرنا چاہو تو اس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ تمہارا ذہن بہت پُر سکون ہو کوئی شور و غل نہ ہو حواس جمع ہوں، تمہارا ذہن کسی بھی جسمانی ضرورت کا محتاج نہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی اپنے پاس (گندمی رنگ کا) کافی مقدار میں کم قیمت کاغذ اور فاؤنٹن پن بھی رکھ لو، ہم نے کم قیمت کاغذ کو اس لئے کہا تاکہ اس کے خرچ کرنے میں تم کو تکلیف نہ ہو اور تم احتیاط سے نہ کام لینے لگو اور فاؤنٹن پن کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اس وقت ہزاروں روحانی و نفسانی عوامل تم کو گھیرے میں لئے ہوں گے تاکہ تم اپنے مقصد۔ یعنی مطالعۂ نفس سے منحرف ہو جاؤ!!! اس کے بعد تمہارے ذہن میں آج یا گذرے ہوئے کل کے سلسلہ میں جتنے بھی احساسات و جذبات رہے ہوں ان کی ایک فہرست بنا ڈالو۔ فہرست مکمل کرنے کے بعد ان جذبات کو ایک ایک کر کے سوچو اور ہر فکر کی مناسبت سے جو بھی خیالات تمہارے ذہن میں آئیں ان سب کو لکھتے جاؤ چاہے وہ جتنے طولانی ہوں۔

جب تم اس دن کے اپنے اعمال و افکار و احساسات کو بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق لکھ چکو تو اپنے سامنے حُبّ نفس، گوشہ نشینی تکبر اور ...... کو رکھو اس کے بعد اپنی نظر کے سامنے ایک ایک کر کے تمام اعمال، افکار، احساسات کو لاؤ اور پھر اپنے نفس سے سوال کرو:

یہ عمل ان احساسات کے ساتھ کس وجہ سے تھا؟ کس نے اس کیلئے ابھارا تھا؟
اور اس مطالعۂ نفسیہ کا اصلی مقصد یہ ہے کہ مریض کی روحانی شخصیت میں اتنا تغیر پیدا کر دیا جائے جتنے سے اسکی زندہ روحانی طاقت اس کو اس کے عصبی حالات سے نجات دلا سکے اور اس کے نفسیاتی تضاد کو دور کر سکے اور وہ اپنے اندر جدید شخصیت کا احساس کر سکے۔ اور اپنی زندگی میں نئے مقاصد و معانی پیدا کر سکے۔ یعنی مختصر طور سے اس طرح سمجھئے کہ اپنی زندگی میں اپنی ذات کے لئے نئے طریقے ایجاد کر سکے جو سابق طریقوں سے مختلف ہوں [1]

● ● ●

[1] کتاب روانکاری۔

(۸)

حسد

① غلط رجحان

② حاسد ناکامی کی آگ میں جلتا ہے

③ حسد کے بارے میں دین کا تبصرہ

(۱)

غلط رجحان

اس پُرشور دنیا میں نوع بشر برابر حرکت و جُنبش میں ہے۔ مسلسل مصائب و مشکلات کے موجوں میں گھِر کر اپنے جسم و جان پر مشقتوں اور دشواریوں کو محض اس لئے برداشت کرتا ہے کہ گلزار زندگی سے امیدوں کے پھول یکے بعد دیگرے چن سکے اور جب تک انسان کا رشتۂ حیات مقراضِ موت سے منقطع نہ ہو جائے اور امیدوں کی کھڑکی بند نہ ہو جائے وہ اپنی کوششوں سے باز نہیں آتا۔ نہ جستجوئے توفیق سے دست بردار ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ یہی چراغ امید ہے جو صاحب آرزو کی آرزو کو فروزاں رکھتا ہے۔ اور یہی امیدیں زندگی کی تمام تلخیوں کو شیریں و گوارہ بناتی ہیں۔

کوئی تو امید دولت و ثروت میں سرشار رہتا ہے اور اس کے حصول کے لئے انتھک کوشش کرتا ہے اور کوئی عزت و شہرت کی تلاش میں حیراں و سرگرداں رہتا ہے اور اس کے حصول کیلئے دیوانہ وار مسلسل سعی و کوشش میں مشغول رہتا ہے۔ کیونکہ ہر فرد کی خواہشات اس کی جسمانی اور تکامل روحی سے وابستہ ہوتی ہیں۔ اور ہر شخص کا آئیڈیا، طرز تفکر حصول مقصد میں الگ الگ ہوتا ہے لیکن اس نکتہ کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ یہ ضرورتیں اور خواہشیں اسی وقت اسباب خوش بختی فراہم کرتی ہیں۔ جب اس کی روحانی ضرورتوں کے مطابق ہوتی ہیں۔ اور احتیاجاتِ فکری کو سکون بخشتی ہوں۔ اور سطح معرفت کو اوج ارتقا تک پہونچاتی ہوں۔ اور چراغ فروزاں کی طرح راہ زندگی کو روشن کر کے بدبختی کے ہول انگیز تاریکی سے نجات دلاتی ہوں۔ البتہ ان غرائز میں سے کبھی کوئی ایک غریزہ ــ مثلاً حرص و طلب جاہ وغیرہ ــ طغیان و

سرکشی کر کے آدمی کی بدبختی کی جڑوں کو مضبوط کر دیتا ہے۔ انھیں میں سے ایک غرزہ وہ بھی ہے کہ جب وہ اپنے مسیر حقیقی سے منحرف ہو جاتا ہے۔ اور انسان کے وجدان کو اسیر کر کے زندگی کی حقیقی امیدوں تک رسائی سے روک دیتا ہے۔ اور اسی کو حسد یا بدخواہی کہتے ہیں، تو وہ حاسد کو آغوش آسائش میں دیکھنا گوارہ نہیں کرتا بلکہ حاسد دوسروں کی نعمتوں کو دیکھ کر جلتا ہے بقول سقراط بوالہوس اور حاسد دوسروں کے موٹاپے کو دیکھ کر لاغر ہوتا رہتا ہے۔

حاسد وہ بیچارہ شخص ہے جو اپنی پوری زندگی ایک ایسی امید میں صرف کر دیتا ہے جو اس کے لئے ناقابلِ حصول ہے اور دوسروں کو حاصل ہے۔ پس وہ اسی پر حسرت و آہ کرتا ہے اور اسکی تمنا ہوتی ہے کہ تمام شقاوت و بدبختی دوسروں کے نصیب میں ہو جائے اور اپنے تمام حیلوں کو اس لئے صرف کرتا ہے کہ دوسروں کی سعادت ان سے سلب ہو جائے۔

ایک مشہور رائٹر لکھتا ہے: ہمارے نفوس صحرا میں اس شہر کے مانند ہیں جس میں نہ کوئی قلعہ ہو نہ حصار جس کو سعادت و آسائش کے چور لوٹ رہے ہوں۔ معمولی سی نسیم ہمارے دل کے سمندر بے پایاں کو مضطرب و متلاطم کر دیتی ہے۔ اور خواہشات کے غیر محدود دشمن ہمارے نفوس کے گھروں میں داخل ہو کر امر و نہی کرتے ہیں۔ ہر جاہل اس بات کو جانتا ہے کہ اگر اس کے سر میں درد ہونے لگے تو ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے۔ لیکن جس میں حسد کی بیماری ہے وہ بیچارہ جلتا رہتا ہے۔ اور کوئی اس کا علاج نہیں کر سکتا۔

ہر حاسد کا ہدف دوسروں کی نعمت ہے اور وہ اپنے مختلف دسیسہ کاریوں اور حیلوں سے ان کی نعمتوں کو چھین لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اور معمولی توجہ کے بغیر وہ اپنے ناپاک احساسات کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی لئے وہ محسودین پر جھوٹ و اتہام کے پل باندھ کر اپنی خباثت نفس کا اظہار کرتا ہے۔ اور اگر اس طرح اس کا مقصد پورا نہ ہو تو اس کے لئے بعید نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے حریمِ آزادی پر حملہ آور ہو جائے۔ اور اپنی خواہشات کے زیر اثر لوگوں کی روحانیت کو شکست و ریز

کردے ۔ لیکن کیا یہ انسان کی واقعی خواہش ہو سکتی ہے؟ اور کیا یہ انسان کی زندگی کا واقعی مقصد ہے؟

حاسد نہ صرف یہ کہ دائرہ انسانیت سے خارج ہے بلکہ وہ حیوان سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ جو شخص دوسروں کے آلام و مصائب میں غور و فکر نہ کر سکے وہی انسانیت کا مصداق نہیں ہے چہ جائیکہ جو شخص دوسروں کے آلام و مصائب پر مسرور و خندہ زن ہو اور اس کو اپنی کامیابی سمجھتا ہو! اس کو موجودات کی کس فہرست میں رکھا جائے گا؟

● ● ●

(۲)

حاسد ناکامی کی آگ میں جلتا ہے

زندگی کے میدان میں درخشاں کامیابی و ترقی کا راز لوگوں کے دلوں میں گھر بنا لینا ہے، جو شخص اپنی لیاقت و صلاحیت اور اپنے بلند صفات کے ذریعہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کر سکتا ہو وہ معاشرہ کی بے پناہ تعاون و مدد کے سہارے ترقی کی اعلیٰ منزل تک پہونچ سکتا ہے اور کلید کامیابی کا مالک بن سکتا ہے۔ نیکوکار اور پاک سرشت لوگ معاشرہ میں روشن چراغ کی طرح ہوتے ہیں جو ترقی کرنے کے بعد لوگوں کے افکار کی قیادت کرتے ہیں۔ اور ان کے اخلاق پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

لیکن حاسد اپنے مکروہ چہرہ کے ساتھ اچھے صفات کو فنا کرنے کا سبب بنتا ہے اور معاشرے میں پردہ بن کر حائل ہو جاتا ہے۔ اور معاشرے کے کسی فرد کو بھی اس قابل نہیں چھوڑتا جس کے دل میں اس (حاسد) کی کوئی جگہ ہو۔ حاسد کو کبھی یہ گوارہ نہیں ہوتا کہ اس کے آسمان زندگی پر ستارۂ محبت

چمکے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کے تعاون و ہمدردی کی نعمت کو کھو بیٹھتا ہے۔ بدخواہ اپنی خصلتوں کی وجہ سے اپنے کو ننگا کر دیتا ہے اور عمومی نفرت کو اپنی طرف دعوت دیتا ہے۔ اور حسد کے ذریعہ جو محسوس اضطراب، اور گہرا رنج و غم حاصل کرتا ہے وہ اس کی روح کو شکست و ریز سے دوچار کر دیتا ہے۔ اور ایک ایسی آگ بھڑکا دیتا ہے جس کی وجہ سے اسکی روح جلتی رہتی ہے۔

حاسد کی جان جلنے اور ایک منٹ بھی سکون نہ ملنے کی وجہ واضح ہے کیونکہ نعماتِ الٰہی اس کی مرضی کے خلاف ہمیشہ مائل بہ زیادتی ہوتی ہیں۔ اس لئے اس کے دل پر رنج و غم کے بادل ہر وقت چھائے رہتے ہیں۔ حسد ایک ایسا شدید طوفان ہے جو فضائل و خرد کے تناور درخت کو تنکے کی طرح جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے اور پھر حاسد کو ارتکاب جرم سے روکنے کے لئے کوئی اخلاقی اور وجدانی رکاوٹ باقی ہی نہیں رہتی۔

قابیل نے جب دیکھا کہ ہابیل کی قربانی تو بارگاہِ الٰہی میں قبول ہو گئی۔ لیکن اس کی قربانی رد کر دی گئی تو اس کے دل میں کینہ و حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور آخر کار اس نے ہابیل کے قتل کا پروگرام بنا لیا۔ حسد نے اس کے دل میں اپنا پنجہ گڑو دیا۔ اخوت و انسانیت کا جذبہ اس کے دل سے ناپید ہو گیا۔ اور اس نے اپنے بھائی کے سر کو پہاڑ کی چٹان سے ٹکرا دیا اور ہابیل کے مقدس جسم کو "صرف ہابیل کی خلوص نیت کے جرم میں" اسی کے خون سے نہلا دیا۔ اس وقت کی حیرت زدہ دنیا نے حسد کی پہلی قربانی دیکھی۔ جو آدمؑ کے بیٹے کے ہاتھوں نمایاں ہوئی۔ حسد نے جب اپنا کام کر لیا تو اپنے اس قبیح فعل پر نادم ہوا۔ لیکن اس وقت ندامت بیکار ہوئی اور قابیل اپنی پوری زندگی اس روحانی عذاب کو برداشت کرتا رہا۔ اگر قابیل کے ذہن میں فکرِ صحیح کا تصور ہوتا تو وہ فیضانِ الٰہی سے محروم ہونے کی علت تلاش کرتا۔

جرمنی عالم شوپنہاور کہتا ہے: حسد انسان کے بدترین احساسات میں سے ایک ہے اس لئے اس کو سعادت کا بدترین دشمن خیال کرنا چاہئے۔ اور اس کا سر کچلنے اور اس کو دبانے کی مسلسل کوشش کرنی چاہئے۔

اگر کسی معاشرے میں حسد کا دور دورہ ہو جائے تو پھر اس معاشرے میں لڑائی جھگڑے کا عام ہونا ضروری ہے اور پھر اس معاشرہ میں جو مصائب و آلام سے بھر پور ہوتا ہے، جو افراد پرورش پاتے ہیں وہ بجائے اس کے کہ دوسروں کی کمیوں کو دور کریں۔ اور لوگوں کے حالات کو بہتر بنائیں دوسروں کی ترقی و سعادت میں راستہ کا روڑا بن جاتے ہیں۔ اور ان کی خود غرضی ہر قسم کے اصلاح سے مانع ہو جاتی ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں لوگوں کا چین و سکون غارت ہو جاتا ہے اور آباد و متمدّن معاشرہ فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔ بقول ڈاکٹر کارل: ہمارے بخل و عقیم پن کی ساری ذمہ داری حسد پر ہوتی ہے۔ کیونکہ یہی حسد ہے جو ہم کو دیگر ترقی یافتہ قوموں تک پہونچنے نہیں دیتا اور اسی حسد کی وجہ سے بہت سے باصلاحیت افراد جو امتوں کی قیادت کر سکتے ہیں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ آج کل دنیا کے گوشہ گوشہ میں جو جرائم رونما ہوتے ہیں جنکے ہمراہ ظلم و جور بھی ہوتا ہے ان کا سرچشمہ یہی حسد ہے۔ اور اس حقیقت کا انکشاف اس وقت ہو جائیگا۔ جب ہونے والے واقعات کی گہرائی میں آپ پہونچیں گے۔

● ● ●

(۳)

حسد کے بارے میں دین کا تبصرہ

ارشاد خداوند عالم ہے: لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (پ ۵ س ۴ (نساء) آیہ ۳۲) اور خدا نے جو تم میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے اس کی ہوس نہ کرو۔ یہ صحیح ہے کہ انسان فطری طور سے حصول نفع کا خواہش مند ہے۔ لیکن یہ خواہش حدود و قوانین شرع کے اندر ہونی چاہئے۔ اسی طرح اسے اصول آزادی سے ہم آہنگ ہونا چاہئے اور انسانی معاشرہ اس کو درست بھی

سمجھتا ہو۔

اسی لئے اگر خدا نے کسی کو کسی نعمت سے نوازا ہے تو کسی دوسرے شخص کو اپنی فطرتِ منفعت طلبی اور اپنی تسکین حسِ بدخواہی کے پیشِ نظر اس سے اس نعمت کو چھین لینے کا حق نہیں ہے۔ بلکہ اس کو چاہئے کہ اپنے حصول آرزو کی خواہش کے لئے عاقلانہ روش اختیار کرے اور جسطرح خدا نے حکم دیا ہے اسی دائرہ کے اندر تلاش و جستجو کرے۔ اور فضل خداوند عالم سے دعا کرے تاکہ راستہ کی مشکلات کو دور کر کے اس کو مقصد تک پہونچا دے۔

اگر حاسد اپنی فکری صلاحیتوں کو نامناسب جگہوں پر صرف نہ کر کے خدا پر بھروسہ کر کے اپنے معقول مقاصد میں خرچ کرتا اور راستوں کے خس و خاشاک کو دور کر کے پائے استقلال کو منزلِ مقصود کیلئے رواں رکھتا تو اس کے گھر میں نیک بختی کا سورج چمک رہا ہوتا۔

ائمہ معصومینؑ سے اس خطرناک صفت کے بارے میں بہت سی روایات منقول ہیں۔ اور ائمہؑ نے ہم کو اس صفت سے ڈرایا ہے اس سلسلہ میں امام جعفر صادقؑ کی ایک روایت کی طرف توجہ فرمائیے جس میں ارشاد فرمایا ہے: ..... دل کا نابینا ہونا اور فضل خدا کا انکار کرنا حسد کی اصل ہے اور یہ دونوں ۔ کوری دل و انکار نعمت ۔ کفر کے بازو ہیں۔ اسی حسد کی وجہ سے اولادِ آدمؑ حسرتِ ابدی کے چالہ میں گر پڑی اور اسطرح حاسد ایسے مہلکہ میں پڑ گیا جس سے قیامت تک نجات ناممکن ہے[1]

حسد کی ایک علت گھر کا بُرا ماحول بھی ہوا کرتا ہے جو ماں باپ اپنے کسی ایک بچہ سے مہر و محبت کرتے ہیں اور دوسرے کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے۔ اس دوسرے بچہ کے دل میں ایسی گرہ پڑ جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ حقارت و سرکشی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اسی وجہ سے بچہ کے دل میں حسد پیدا ہو جاتا ہے جو بڑے ہونے پر اس کی بدبختی و سیاہ روزی کا باعث ہوتا ہے اسی طرح جس معاشرہ کی بنیاد عدل و انصاف پر نہیں ہوتی۔ جہاں نسلی و قومی تعصب ہوتا ہے وہاں لوگوں کے دلوں میں

---

[1] مستدرک الوسائل ج ۲ ص ۲۲۸۔

خود بخود سرکشی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ان کے دلوں میں آتش حسد بھڑک اٹھتی ہے۔

اسی لئے رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے: اپنے بچوں کے درمیان عطیہ و بخشش میں مساوات کا برتاؤ کرو لے اور یہ صرف اس لئے فرمایا ہے کہ ان کے دلوں میں حسد پیدا نہ ہو۔

پروفیسر برٹرانڈ راسل نے کتاب (خانوادہ فیرچایلڈ) کے حوالہ سے اس فصل کا ایک حصّہ لکھا ہے۔ جس میں پوشیدہ قلبی گناہوں سے بچنے کا طریقہ لکھا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں: (لوسی) کو ایک چھوٹی سی کاپی دی گئی کہ تمہارے خیال میں جو بھی آئے اس کو اس میں لکھو۔ اور صبح کو ناشتہ کے وقت لوسی کے والدین نے ایک گلاس لوسی کے بھائی کو اور ایک کیسیٹ لوسی کی بہن کو دیا۔ اور لوسی کو کچھ نہ دیا۔ چنانچہ اس نے اپنی کاپی میں لکھا: اس وقت میرے دل میں ایک برا خیال آیا اور وہ یہ کہ اس کے والدین اس کے بھائی بہن کے مقابلہ میں اس کو بہت کم چاہتے ہیں۔

حضرت علیؑ ایک جگہ حسد کے اس نقصان کا ذکر فرماتے ہیں جو بدن سے متعلق ہوتا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: مجھے حاسدوں سے اس بات پر بہت تعجب ہوتا ہے کہ اپنے جسموں کی سلامتی سے غفلت کیوں برتتے ہیں۔ ۲

ڈاکٹر فرانک ہور کہتا ہے: نفسانی احساسات کے مصائب و آلام پر اپنے افکار و ذولت سے دور کر دو۔ اس لئے کہ یہ چیزیں "روحانی ابلیس" ہیں۔ یہ ابلیس صرف انسان کے فکری نظام ہی کو درہم برہم نہیں کرتے۔ بلکہ جسم کے اندر زہریلے خلایا کو تقویت پہونچاتے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ جسم کو ضرورت سے زیادہ ضرر پہونچاتے ہیں۔ یہ دوران خون کو سست کر دیتے ہیں۔ اعصاب کو کمزور کر دیتے ہیں روحانی و جسمانی نشاط کو شکست و ریز میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ زندگی کے ہدف و مقصد کو ختم کر دیتے ہیں فکر کو کمزور کر دیتے ہیں۔ اس لئے انسان پر واجب ہے کہ ان دشمنوں کو اپنے گھر کے ماحول سے نکال دے کیونکہ یہ سم قاتل ہیں۔ ان کو انسانی زندگی سے دور قید کر دینا چاہئے اور جو ایسا کرے گا وہ دیکھے گا کہ اس کا ارادہ قوی ہو گیا اور وہ اپنی قوت ارادی کے سہارے مشکلات حیات پر قابو پالے گا۔ ۳

---

۱ نہج الفصاحۃ ص ۳۶۶ ۲ غرر الحکم ص ۴۹۴ ۳ پیروزی فکر۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: حسد جسد کو فنا کر دیتا ہے[1] دوسری جگہ فرماتے ہیں: حسد سے بچو یہ انسانی روح کو معیوب کر دیتا ہے[2]۔

ایک علم النفس کا ماہر کہتا ہے: بہت زیادہ حسد نفسانی آلام میں سے ہے یہ نفس کو بہت تکلیف پہونچاتا ہے. اس کو غلطی پر آمادہ کرتا ہے. اس پر بہت ظلم و ستم کرتا ہے. آپ یہ جان لیجئے کہ حاسد کے بہت سے اعمال خود اس کے ارادہ سے سرزد نہیں ہوتے بلکہ عفریت حسد کے حکم سے انجام پاتے ہیں[3] امام زین العابدینؑ مقام دعا میں فرماتے ہیں: خدایا میرے سینہ کو حسد کی بیماری سے محفوظ رکھ تاکہ میں کسی کی خوشبختی و نیکبختی کو حسرت کی نگاہ سے نہ دیکھوں. مجھے حسد سے اس طرح دور رکھ کہ برابر دوسروں کی سعادت و سلامت کا خواہشمند رہوں اور عین اس حال میں مجھے اس کی بھی توفیق دے کہ جب تیری دینی و دنیاوی نعمتوں کو دوسروں میں دیکھوں اور وہ سب پارسا و پرہیزگار ہوں، کشادہ رو، کشادہ دست ہوں، مہربان و مالدار ہوں تو تجھ سے تیری ذات اقدس سے ان کے لئے بہتر سے بہتر کی خواہش کروں. صرف تیری ذات سے جو یگانہ و یکتا و بے ہمتا ہے. تمنا رکھتا ہوں۔

ہم کو یہ چاہئے کہ پلید و پست قسم کی وہ تمنائیں جو انسان کی زندگی کو تلخ کر دیتی ہیں. ان کو اپنی روحانی ترقی و تکامل کی راہ میں سد سکندری نہ بننے دیں. اور اپنے افکار و خیالات کو بلند مقاصد اور اعلیٰ صفات کی طرف مرکوز رکھیں کیونکہ شائستہ تمنائیں ہی انسان کو ایک نہ ایک دن اس کے نیک مقاصد تک پہونچا دیتی ہیں حضرت علیؑ فرماتے ہیں: نیک خصائل، اچھے صفات، شیریں کلامی، بزرگ مطالب کی طرف رغبت کرو کہ ان کی عظیم جزا اور اچھا نتیجہ تم ہی کو ملیگا[4]

ڈاکٹر ماردن کہتا ہے: اگر تم نے اپنے افکار کو مخصوص اوصاف کے حصول پر مرکوز رکھا تو آخر کار ان اوصاف تک پہونچکر رہو گے. کیونکہ فطری موجودات افکار کا نتیجہ ہیں. اگر تم کاہلی و عیاشی کی آرزو میں رہو گے تو آخر میں کاہل و عیاش ہو جاؤ گے. اور اگر تمہارے سر میں سودا ہو اور

---

[1] غرر الحکم ص ۲۲ [2] غرر الحکم ص ۱۴۱ [3] روانکاری [4] غرر الحکم ص ۳۵۵

ہر چیز تمہاری نظر میں تیرہ و تار ہی نظر آئے تو تم بہت ہی تھوڑی مدت میں اس سے نجات پا سکتے ہو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی فکر کو بدل دو یعنی دنیا کی وہ چیزیں جو نشاط آور ہیں، مسرت بخش ہیں، ان کے بارے میں غور و فکر کرنے لگو، اگر اچھے اخلاق کی تمنا ہے تو ان کے بارے میں بڑے صبر و تحمل سے سوچو۔ اور تم اپنے اس استقلال مزاجی کی وجہ سے اپنے ذہن کو اچھے اوصاف سے متصف ہونے پر آمادہ کر لو گے اور پھر تمہاری رسائی وہاں تک ہو جائے گی اور جن صفات کو بھی تم حاصل کرنا چاہو ان کی تکرار کی صرف فکر ہی نہ کرو بلکہ ان کو اپنی پیشانیوں پر لکھ لو اپنے میں عزم کر لو اور سب سے کہتے پھرو کہ تم ان چیزوں کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو ایک قلیل مدت کے بعد تم دیکھو گے کہ تمہارے افکار تم کو ان مقاصد کی طرف اس طرح کھینچیں گے جیسے مقناطیس کو لوہا کھینچتا ہے[1]

ڈاکٹر مان کہتا ہے: اصول علم نفس میں ہے: ہم نے بعض مواقع پر دیکھا بھی ہے، اور تجربہ بھی کیا ہے۔ کہ کسی عمل کے بارے میں سوچنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ پہلے تو وہ بہت ہی خفیف صورت میں انجام پاتا ہے۔ مثلاً اگر ہم مٹھی باندھنے کے بارے میں غور کرنے لگیں تو دونوں ہاتھوں کے عضلات تھوڑے سے تن جاتے ہیں اور اعصاب مٹھی باندھنے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں، جس کو آپ اس دقیق حساب کرنے والے آلہ کے ذریعہ تجربہ بھی کر سکتے ہیں جس کو دوکالو لومیتر کہتے ہیں۔ آپ کو بعض ایسے لوگ بھی ملیں گے۔ جن کے محض ارادہ کرنے پر ان کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور بعض لوگوں نے اس کی مشق بہم پہونچائی ہے کہ اپنے ہاتھوں کی بعض رگوں کو سکوڑ لیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے ذہن کو اس بات پر متمرکز کر دیتے ہیں کہ ان کے ہاتھ برف میں پڑے ہوئے ہیں اور اس سوچ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی رگیں اسی طرح سکڑ جاتی ہیں۔ جیسے جب ہاتھوں کو واقعی برف میں رکھ دیا گیا ہو۔ کچھ لوگ ہیں جو اپنی آنکھوں کی پتلیوں کو چھوٹی اور بڑی کر لیتے ہیں وہ لوگ یہ کرتے ہیں کہ اپنی فکر کو ایک مرکز پر محدود

---

[1] پیروزی فکر۔

کر کے اپنے کو بار بار تلقین کرتے ہیں. اور پھر وہ تُتلی اسی طرح ہو جاتی ہے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں۔

حقائق کا سمجھ لینا ہمارے افکار و ارادوں میں بہت زیادہ موثر ہے۔ یہ خواہشات ہی ہیں جو ہمارے افکار پر پردہ ڈال کر قوت ادراک میں تاریکی پیدا کر دیتے ہیں۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے آئینۂ فکر و عقل کو تقویٰ سے صیقل کیا جائے تاکہ حقائق و واقعیات کو اس میں مشاہدہ کیا جا سکے. اس کے بعد قوی ارادہ اور مسلسل مجاہدات کے ذریعہ حسد اور زہر آلود خواہشات کو دل سے نکال کر پھینک دیں اور بغض و کینہ کی زنجیروں کو توڑ دیں تاکہ روح غم کی قید سے آزاد ہو سکے۔ اور بُرے صفات کی جگہ خیر خواہی و اچھے صفات متحقق ہو سکیں۔

● ● ●

(۹)

تکبّر

① افقِ زندگی میں محبّت کا فروغ

② تکبّر باعثِ نفرت ہے

③ بزرگانِ دین درس تواضع دیتے ہیں

(۱)

افقِ زندگی میں فروغِ محبت

بشری حیات کا افق ہمیشہ فروغِ محبت سے روشن و تابناک رہا ہے۔ محبت کے نتائج بڑے دوررس ہوتے ہیں۔ انسان کی مادی و معنوی ترقی میں محبت بڑے عجیب انداز سے اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ عظیم طاقت فطرت کی رگِ رگ سے ہوتے ہوئے انسانی ضمیر میں خمیر ہو کر ایک گہرے اور بیکراں سمندر میں جا کر ختم ہو جاتی ہے۔

اگر محبت کا حیات بخش فروغ افقِ زندگی سے محروم ہو جائے تو وحشتناک تنہائی و ناامیدی کی تاریکی آدمی کی روح کا محاصرہ کر لیتی ہے۔ اور چہرۂ حیات رنج و غم کا وہ مرقع پیش کرنے لگتا ہے۔ جس کے دیکھنے سے آدمی زندگی سے بیزار ہو جائے۔

انسان فطرتاً مدنی الطبع پیدا ہوا ہے۔ دوسروں سے ربط و ضبط میل ملاپ اس کے وجود کے ضروریات میں سے ہے۔ فکری اختلافات عموماً انسان کو بزم سے بیزار بنا کر تنہائی کا خوگر بنا دیتے ہیں۔ جو لوگ عمومی اجتماعات سے فرار کرتے ہیں اور تنہائی کے خوگر ہو چکے ہیں۔ ان کے وجود و فکر میں یقیناً نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ انسان کبھی بھی تنہائی میں خوشنجی کا احساس نہیں کر سکتا۔ بس یوں سمجھئے جس طرح انسان کی جسمانی ضروریات بہت زیادہ ہیں اور انسان ان کی تکمیل کے لئے مسلسل تگ و دو میں لگا رہتا ہے۔ اسی طرح اس کی روح تشنۂ محبت ہے اور اس کی بیشمار خواہشات ہیں جن کی تکمیل کے لئے مسلسل سعی و کوشش کرتا رہتا ہے۔ انسان نے جس دن

سے دنیا کے اندر قدم رکھا ہے اور اس نے اپنی کتاب زندگی کے اوراق کھولے ہیں اس
وقت سے لیکر ان آخری لمحات تک جب اسکی کتاب زندگی ختم ہونے والی ہوتی ہے. وہ محبت
وخلوص، مہربانی ونوازش کا بھوکا رہتا ہے. اور اپنے دل میں اس کا احساس بھی کرتا ہے اسی لئے
جب زندگی کے بوجھ کو اپنے کندھوں پر زیادہ محسوس کرنے لگتا ہے. اور روح فرسا حادثات
اس کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے ہیں، مصائب ومتاعب، ناکامی ونا امیدی رشتۂ امید کو قطع کرنے لگتی
ہے. تو وہ اس وقت بڑی شدت کے ساتھ ضرورت سے زیادہ مہر ومحبت کا پیاسا نظر آتا ہے اور
اس کا دل چاہتا ہے کہ اس کے دل پر امید کا نور سایہ فگن ہوجائے. اور اس وقت اس کے
سکون وآرام کی کوئی صورت مہر ومحبت کے علاوہ نظر نہیں آتی. اور اس کے زخم رنج وغم کا
مرہم صرف نوازش ومحبت ہی ہوا کرتی ہے.

اپنے ہم نوع افراد سے الفت ومحبت انسانی جذبات کا درخشاں ترین جذبہ ہے. بلکہ اسکو
فضائل اخلاقی کا منبع سمجھنا چاہئے. دل بستگی اور علاقہ قابل انتقال چیز ہے. دوسروں کی محبت حاصل
کرنے کیلئے سب سے بہترین ذریعہ یہ ہے کہ انسان دوسروں سے محبت کرے اپنے پاک جذبات
کو دوسروں پر بیدریغ نچھاور کرے اور یہ عقیدہ رکھے. کہ اپنے ہم نوع افراد سے محبت کرنے کے
علاوہ اس کا کوئی دوسرا فریضہ ہی نہیں ہے. دوسروں سے اظہار محبت بڑا نفع بخش سودا ہے.
اگر کوئی اپنے خزانۂ دل کے اس گوہر کو دوسرے کو دیدے تو اس کے بدلے میں اس کو بڑے
قیمتی جواہرات ملیں گے. لوگوں کے دلوں کی کنجی خود انسان کے ہاتھ میں ہے اگر کوئی محبت کے
گرانبہا خزانوں کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اپنے پاس خلوص ومحبت سے بھرا دل رکھے اور لوح
دل کو تمام ناپسندیدہ صفات سے منزہ کرلے.

اہل فلسفہ کہتے ہیں: ہر چیز کا کمال اسکی خاصیت کے ظہور میں ہے اور انسان کی خاصیت
انس ومحبت ہے. یہ انس ومحبت کا جذبہ اور روحانی تعلق جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے

وہ ہمکاری و ہمزیستی کی بنیاد کو لوگوں میں مضبوط کرتا ہے۔

ڈاکٹر کارل اپنی کتاب "راہ و رسم زندگی" میں تحریر کرتا ہے: معاشرے کو خوشبخت بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے افراد ایک مکان کی اینٹوں کی طرح باہم متصل و متحد ہوں لیکن سوال یہ ہے کہ لوگوں کو کس سمینٹ کے ذریعہ اینٹوں کی طرح متصل کیا جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ سمینٹ محبت ہے۔ جو کبھی کسی ایک خاندان کے اندر دکھائی دیتی ہے۔ لیکن اس خاندان کے باہر اس کا وجود نہیں ہوتا۔ اپنے ہم نوع افراد سے محبت کرنے کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک پہلو تو یہ ہوتا ہے کہ آدمی دوسروں سے خود محبت کرے اور دوسرا پہلو یہ ہوتا ہے کہ اپنے کو اس لائق بنائے جس کی وجہ سے دوسرے اس سے محبت کریں جب تک معاشرے کا ہر فرد اپنی ناپسند عادتوں کو ترک کرنے کی کوشش نہ کرے گا۔ معاشرہ خوشبخت نہیں ہو سکے گا۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ ہم اپنے کو بدلیں اور اپنے ان عیوب سے نجات حاصل کریں۔ جن کی وجہ سے لوگ ہم سے کتراتے ہیں۔ اس وقت ممکن ہے کہ ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کو محبت کی نظر سے دیکھے، ملازم آقا سے آقا ملازم سے محبت کرے۔ انسانی معاشرے کے اندر صرف عشق و محبت کے سہارے وہ نظم پیدا کیا جا سکتا ہے۔ جو فطرت نے ہزاروں سال سے چونٹیوں اور شہد کی مکھی میں پیدا کیا ہے کہ دونوں مٹھاس پر جمع ہوتی ہیں۔ ؎

جز محبت نپذیریم کہ بر لوحِ وجود + نیست پاینده تر از نقش محبت رقمی

ہم اس بات کو نہیں تسلیم کر سکتے کہ لوحِ وجود پر نقش محبت کے علاوہ کوئی اور چیز پاینده تر ہو سکتی ہے۔

● ● ●

(۲)

تکبّر باعثِ نفرت ہے

حبِّ ذات کا غریزہ انسانی فطرت میں ان بنیادی غرائز میں سے ہے جو بقائے حیات کے لئے ضروری ہے. انسان کی اپنے حیات سے دلچسپی اور اس کی بقاء کے لئے کوشش کا سرچشمہ یہی "حبِّ ذات" ہے، اگرچہ یہ فطرت کا عطا کردہ ذخیرہ ایک بہت ہی نفع بخش طاقت ہے اور بہت سے پسندیدہ صفات کو اسی غریزہ کے ذریعہ انسان میں پیدا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر یہ غیر معقول صورت میں اور بطور افراط نمایاں ہو جائے تو مختلف برائیوں اور اخلاقی انحرافات کا سبب بھی بن جاتا ہے۔

فضائل اخلاقی کے لئے سب سے بڑا خطرہ "حبِّ ذات" میں افراط ہے۔ کیونکہ حبِّ ذات میں افراط کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر اس کے دل میں دوسرے افراد سے محبت کرنے کی جگہ ہی باقی نہیں رہتی اور یہی حب ذات میں افراط انسان کو اپنی غلطیوں کے اعتراف سے روکتا ہے اور ان حقائق کے قبول کرنے پر تیار نہیں ہونے دیتا۔ جن سے اس کے تکبّر کا شیشہ چور ہو جاتا ہو۔

پروفیسر روبنسون کہتا ہے: ہم کو بارہا یہ اتفاق ہوتا ہے کہ خود بخود بغیر کسی زحمت و پریشانی کے اپنا نظریہ بدل دیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی دوسرا ہمارے نظریہ کی غلطی یا اشتباہ پر ہم کو مطلع کرے تو پھر دفعتہ ہم میں ایک انقلاب پیدا ہو جاتا ہے اور ہم اس غلطی کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کا دفاع کرنے لگتے ہیں ہم کسی بھی نظریہ کو خود بڑی آسانی سے قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی دوسرا ہم سے ہمارا نظریہ چھیننا چاہے تو ہم دیوانہ وار اس کا دفاع کرنے لگتے ہیں. ظاہر سی بات ہے ہمارے

عقیدہ و نظریہ میں کوئی مخصوص رابطہ نہیں ہے صرف اسکی وجہ یہ ہے کہ ہماری خود خواہی و تکبر کی حس مجروح ہوتی ہے. اس لئے ہم تسلیم نہیں کرتے اور اسی لئے اگر کوئی ہم سے کہے کہ تمہاری گھڑی پیچھے ہے یا تمہاری گاڑی بہت پرانے زمانہ کی ہے تو ممکن ہے کہ ہم کو اتنا ہی غصہ آجائے جتنا یہ کہنے پر آتا ہے کہ تم مریخ کے بارے میں جاہل ہو یا فراعنۂ مصر کے بارے میں تمہاری معلومات صفر کے برابر ہیں. (آخر یہ غصہ کیوں آتا ہے صرف اس لئے کہ ہمارے تکبر اور ہماری انانیت کو ٹھیس نہ لگ جائے).

انسانی نیک بختی اور بشری سعادت کی سب سے بڑی دشمن "خود پسندی" ہے لوگوں کی نظروں میں تکبر و خود پسندی جتنی مذموم صفت ہے. کوئی بھی اخلاقی برائی اتنی ناپسند نہیں ہے. خود پسندی الفت و محبت کے رشتہ کو ختم کر دیتی ہے. یگانگت و اتحاد کو دشمنی سے بدل دیتی ہے اور انسان کے لئے عمومی نفرت کا دروازہ کھول دیتی ہے انسان کو چاہیئے کہ وہ جتنا دوسروں سے احترام و محبت کا اپنے لئے خواہشمند ہو. اتنا ہی دوسروں کی حیثیت و عزت و وقار کا لحاظ کرے اور ان تمام باتوں سے پرہیز کرے جن سے حسن معاشرت کی خلاف ورزی ہوتی ہو. یا رشتۂ محبت کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہو. لوگوں کے جذبات کا احترام نہ کرنے سے اس کے خلاف عمومی نفرت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے. اور خود وہ شخص مورد اہانت بن جاتا ہے.

معاشرے میں ہر شخص کے حدود معین ہونا چاہئیں ۔ اور ہر شخص اپنی شائستگی اور لیاقت کے اعتبار سے لوگوں کی مخلصانہ محبت و احترام کو حاصل کرتا ہے لیکن جو شخص چہار دیواری میں محصور ہوتا ہے اور تکبر اس کے مکان وجود کو مسخر کر لیتا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کو پیش نظر رکھتا ہے اور دوسروں کے حقوق کا بالکل لحاظ نہیں کرتا. اور وہ اپنی سی کوشش کرتا ہے کہ معاشرے میں جسطرح بھی ہو مشہور و محترم ہو جائے اور اپنی موہوم برتری کو معاشرے پر بھی لادنا چاہتا ہے اور یہی بے موقع اصرار و توقع لوگوں کو اس سے متنفر بنا دیتا ہے اور پورا معاشرہ اس سے شدید نفرت کرنے لگتا ہے اور اسکو تکلیف پہونچانے پر اتر آتا ہے اور یہ شخص (متکبر) مجبوراً قلبی

اضطراب و روحی تکلیف کے ساتھ خلاف توقع ان مصائب و تکالیف کو برداشت کرتا ہے۔

تکبر کا لازمہ بدبینی ہے۔ متکبر کی آتش بدگمانی کا شعلہ ہمیشہ بھڑکتا رہتا ہے اور وہ سب ہی کو اپنا بدخواہ اور خود غرض سمجھتا ہے اس کے ساتھ مسلسل ہونے والی بے اعتنائیوں اور اس کے غرور کو چکنا چور کر دینے والے واقعات کی یادیں اس کے دل سے کبھی محو نہیں ہوتیں اور بے اختیار و نادانستہ اس کے افکار اس طرح متأثر ہو جاتے ہیں کہ جب بھی اس کو موقع ملتا ہے وہ پورے معاشرے سے کینہ توزی کے ساتھ انتقام پر اتر آتا ہے اور جب تک اس کے قلب کو آرام نہ مل جائے اس کو سکون نہیں ملتا۔

جب خود پرستی و تکبر کا اہرمن انسان کی فطرت میں اثر انداز ہو جاتا ہے اور انسان اپنی اس روحانی بیماری کی وجہ سے "احساس حقارت" میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تو پھر یہی بیماری رفتہ رفتہ "عقدہ حقارت" میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور پھر یہی چیز بہت سے خطرات کا مرکز اور مختلف جرائم کا منبع بن جاتی ہے، اور متکبر کو روز افزوں شقاوت و بدبختی کی طرف کھینچتی رہتی ہے۔ اگر آپ دنیا کی تاریخ کا مطالعہ فرمائیں تو یہ حقیقت آپ پر منکشف ہو جائے گی اور آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ جو لوگ انبیائے الٰہی کی مخالفت کرتے رہے تھے اور حق و حقیقت کے قبول کرنے سے اعراض کرتے رہے تھے، وہ ہمیشہ دنیا کی خونین جنگوں میں اس بات پر راضی رہتے تھے کہ ہستی بشر سر حد مرگ تک پہونچ جائے اور یہ جذبہ ہمیشہ حکمانِ وقت کے غرور و خود پرستی ہی کی بنا پر پیدا ہوتا تھا۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ پست اقوام و پست خاندان میں پرورش پانے والے افراد جب معاشرہ میں کسی اچھی پوسٹ پر پہونچ جاتے ہیں تو وہ متکبر ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح وہ اپنی اس حقارت و ذلت کا جبران کرنا چاہتے ہیں۔ جو پستیٔ خاندان کی وجہ سے ان کے دامن گیر تھی۔ ایسے لوگ اپنی شخصیت کو دوسروں کی شخصیت سے ماوراء سمجھتے ہیں۔ اور ان کی ساری کوشش یہی ہوتی ہے کہ اپنی شرافت کا ڈھنڈھورا پیٹیں۔ محترم پڑھنے والے اپنے اردگرد اس قسم کے لوگوں کو دیکھ سکتے ہیں،

جو شخص واقعی برجستہ و پُرارزش ہوتا ہے وہ اپنے اندر کبھی بھی اس قسم کا احساس نہیں کرتا اور نہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اپنی بزرگی کی نمائش کرے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ خودنمائی سرمایۂ برتری نہیں ہے۔ اور غرور و تکبّر نے نہ کسی کو شائستگی بخشی ہے اور نہ کسی کو عظمت و سربلندی کی چوٹی پر پہونچایا ہے۔

ایک دانشمند کہتا ہے: امیدوں کے دامن کو کوتاہ کرو اور سطح توقعات کو نیچے لے آؤ اپنے کو خواہشات کے جال سے آزاد کراؤ۔ غرور و خودبینی سے دوری اختیار کرو۔ قید و بند کی زنجیروں کو توڑ دو۔ تاکہ روحانی سلامتی سے ہم آغوش ہو سکو۔

• • •

(۳)

بزرگانِ دین درس تواضع دیتے ہیں

فضائل اخلاقی میں سے ایک چیز جو رمز محبوبیت رکھتی ہے۔ اور جلبِ محبّت و دوستی کا بہترین ذریعہ ہے۔ وہ "تواضع و فروتنی" ہے، متواضع شخص اپنے اس اخلاقی فریضہ کے سبب معقول حد تک ترقی کر لیتا ہے۔

یہ بات ضرور ذہن میں رکھئے کہ "تواضع" اور "چاپلوسی" میں زمین آسمان کا فرق ہے انمیں سے ہر ایک کا حساب الگ ہے۔ کیونکہ تواضع فضیلت اخلاقی کی حکایت کرتی ہے اور شرافت نفس، عظمت شخصیت، باطنی سکون کا پتہ دیتی ہے لیکن چاپلوسی پستی اخلاق اور عدم شخصیت کا پتہ دیتی ہے۔

حکیم لقمان نے اپنے بیٹے کو سود مند نصائح کرتے ہوئے فرمایا تھا: نخوت و تکبر سے پرہیز کرنا۔ قرآن مجید کہتا ہے: وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (پ ۲۱ س ۳۱ (لقمان) آیہ ۱۸)۔

اور لوگوں کے سامنے (غرور سے) اپنا منہ نہ پھلانا، اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا کیونکہ خدا کسی اکڑنے والے اور اترانے والے کو دوست نہیں رکھتا۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: اگر خدا کسی بندے کو تکبر کی اجازت دیتا تو (سب سے پہلے) اپنے مخصوص انبیاء اور اولیاء کو اجازت دیتا۔ لیکن خدا نے اپنے انبیاء و اولیاء کے لئے بھی تکبر پسند نہیں فرمایا، بلکہ تواضع و فروتنی کو پسند فرمایا (اسی لئے) انبیاء و اولیاء نے (خدا کے سامنے) اپنے رخساروں کو زمین پر رکھدیا۔ اور اپنے چہروں کو زمین پر ملا اور ایمانداروں کے سامنے تواضع و فروتنی برتا۔

تکبر کرنے والے قطع نظر اس بات کے کہ پورا معاشرہ ان کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے، ان کے لئے سرکار دو عالمؐ نے فرمایا ہے: تکبر سے بچو کیونکہ جب کسی بندے کی عادت تکبر ہو جاتی ہے تو خدا حکم دیتا ہے: میرے اس بندے کا نام جبّاروں میں لکھ لو۔[1]

امام صادقؑ نے فرمایا: جو شخص تکبر کی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو وہ اپنے باطن میں ذلت و پستی کے احساس کی وجہ سے اس میں مبتلا ہوتا ہے[2]

امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں: تکبر و خود پسندی کے مراتب ہیں: ان مراتب میں ایک مرتبہ یہ ہے کہ خود پسند افراد کی نظروں میں ان کے بُرے اعمال بھی اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان برے اعمال کو یہ لوگ محبوب رکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ انھوں نے بڑے اچھے کام کئے ہیں[3]

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: خبردار اپنے نفس سے راضی نہ ہونا ورنہ تمہارے دشمن بہت ہو جائیں گے[4]

---

[1] نہج الفصاحۃ ص ۱۲
[2] کافی ج ۳ ص ۴۶۱
[3] وسائل الشیعہ ج ۱ ص ۷۴
[4] غرر الحکم ص ۱۴۷

مگ برائیڈ کہتا ہے: ایک فرد یا ایک ملت کی برتری طلبی کا مطلب دوسرے اشخاص یا اقوام کو ذلیل کرنا اور پست شمار کرنا ہے۔ آج کل کی نفرت، دشمنی، کشمکش بھی زیادہ تر عقدۂ حقارت کی پیداوار ہے اس قسم کے طرز تفکر کا مطلب درحقیقت ایک قسم کے جھوٹے احساس حقارت کا جبران ہے۔ ورنہ کوئی بھی باشرف و پاکیزہ نہاد انسان اپنے اور دوسروں کے درمیان اور اپنے و دیگر اقوام کے درمیان کسی امتیاز و اختلاف کا تصور بھی نہیں کر سکتا!

متکبر و خود خواہ لوگ اپنے تمام اعمال و کردار کو اچھا سمجھتے ہیں اور اپنے نواقص کو فضائل شمار کرتے ہیں جیسا کہ چند سطروں پہلے امام موسیٰ کاظمؑ کا قول نقل کیا گیا۔

ایک ماہر نفسیات کہتا ہے: متکبر اپنے نقائص کو فضائل اور اپنے عیوب کو محاسن سمجھتا ہے اگر اس کو اپنے ماتحتوں پر جلدی غصہ آجائے تو اس کو اپنی شخصیت کے قوی ہونے کی دلیل سمجھتا ہے۔ بھلا جو انسان حلوا کی طرح ہو اس میں کون سی خوبی ہے؟ متکبر اپنی لاغری و ضعف کو اپنی روح کی بلندی خیال کرتا ہے۔ اور دوسروں کے موٹاپے کو مضحکہ خیز سمجھتا ہے اور اپنے موٹاپے کو صحت مندی کو سلامتی عقل اور سلامتی جسم خیال کرتا ہے۔ اور کمزوروں کو احمق سمجھتا ہے۔ ان کو اعتماد و بھروسہ کے قابل نہیں سمجھتا وغیرہ وغیرہ ۔ آج کل کے دانشمند تکبر کو ایک قسم کی بے عقلی اور دیوانگی خیال کرتے ہیں۔ لیجئے حضرت علیؑ کے اقوال سنئے:

۱۔ غرور و خود پسندی عقل و خرد کو برباد کرنے والی ہے[1]۔ ۲۔ جس کی قوت فکر ضعیف ہوتی ہے اس کا غرور زیادہ ہوتا ہے[2]۔ ۳۔ تواضع دفروتنی عقلمندی کی اساس ہے اور تکبر و خود پسندی بے عقلی کی بنیاد ہے[3] ۴۔ خود پسندی و تکبر ایک اندرونی بیماری ہے[4]

متکبر و خود پسند کبھی اپنی اصلاح پر مُوفق نہیں ہوا کرتا۔ اور نہ اپنی شخصیت کو بلند کر سکتا ہے۔

۵۔ جو اپنی اچھی حالت پر ناز کرتا ہے اور اپنی رفتار کو دوسروں کی رفتار سے بلند خیال کرتا

---

[1] غرر الحکم ص ۲۶ [2] غرر الحکم ص ۶۵۱، [3] غرر الحکم ص ۱۰۲ [4] غرر الحکم ص ۴۷۸

ہے وہ اپنی اصلاح سے عاجز رہتا ہے [1]

ڈاکٹر ہیلن شاختر کہتا ہے: اپنی ناکامی کی حالت میں دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ایک ذریعہ ڈینگ مارنا اور اپنی تعریف کرنا ہے۔ اور جن کاموں کے واقع ہونے کی امید ہو اور وہ نہ ہوسکیں۔ اور جن توفیقات کی تمنا ہو اور وہ پوری نہ ہوسکیں ان کو واقع شدہ شمار کرنا اور اپنی طرف ان کی نسبت دینا اور جن کاموں کو انجام نہ دے سکا ہو۔ ان کے بدلے میں انکے بارے میں بہت گفتگو کرنا۔ اور اپنے انجام دیئے ہوئے کاموں کو بہت بڑا بنا کر پیش کرنا بھی لوگوں کی توجہ کو مبذول کرلیتا ہے۔ اس قسم کے لوگ ایسی ڈینگیں مار کے اور ایسے ایسے جھوٹ بولنے میں اپنے کو مشغول رکھ کر اپنا وقت برباد کر دیتے ہیں۔

جو شخص خود پسندی کا شکار ہوتا ہے وہ اپنے نقائص کا ادراک نہیں کر پاتا اور نہ دوسروں کے خصائل و برتری کا احساس کر پاتا ہے۔ حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں: اپنے تکبر کو پسند کرنے والا ہمیشہ اپنے عیوب سے بے خبر ہوتا ہے اور اگر اس کو دوسروں کی فضیلت و برتری کا احساس ہو جاتا تو اپنے نقائص کا جبران کرلیتا [2]

اسلام جو ایک بہترین شہریت کا راہ نما ہے حیات بخش معاشرہ کا داعی ہے وہ ہر قسم کے ان امتیازات کو نابود کرنا چاہتا ہے جو خلاف انصاف ہوں اور صرف تقویٰ و پاکیزگی کے امتیاز کو باقی رکھنا چاہتا ہے حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: تونگری و مالداری سے خدا کی پناہ مانگو۔ کیونکہ دولت و ثروت میں مست آدمی کبھی ہوش میں نہیں آتا۔ اور نہ اعتدال کی حالت اس میں پیدا ہوتی ہے [3]

حضرت سرور کائنات کی خدمت میں ایک دن ایک مالدار شخص آگیا اس کے بعد ایک غریب و مفلس آدمی بھی شرف یاب ہوا۔ اور آکر اس مالدار کے پاس بیٹھ گیا۔ مالدار شخص نے فوراً اپنے لباس کو سمیٹ لیا اور رسولؐ خدا اس صورت حال کو ملاحظہ فرما رہے تھے آپ نے ایکمرتبہ اس مالدار شخص

---

[1] غرر الحکم ص ۶۷۸ [2] غرر الحکم ص ۹۵ [3] غرر الحکم ص ۱۳۸

کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

رسولؐ خدا! کیا تم کو یہ ڈر تھا کہ اس فقیر کی فقیری کہیں تم کو نہ لگ جائے اسلئے تم نے اپنا دامن سمیٹ لیا؟

مالدار: جی نہیں!

رسولؐ خدا: کیا تم کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں تمہاری دولت و ثروت کا کچھ حصہ اس غریب کو نہ مل جائے اس لئے تم نے دامن سمیٹ لیا؟

مالدار: نہیں سرکار یہ بات بھی نہیں ہے!

رسولؐ خدا: کیا تم کو یہ خوف لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں اس کا لباس تمہارے لباس کو آلودہ کردے، اس لیے تم نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے؟

مالدار: نہیں حضور یہ بات بھی نہیں ہے۔

رسولؐ خدا: پھر تم نے اپنا دامن کیوں سمیٹا؟

مالدار: یا رسولؐ اللہ میری مالداری نے حقائق کا ادراک کرنے اور واقع بینی کو مجھ سے سلب کرلیا ہے اور میری برائیوں اور کمیوں کو میری نظر میں مستحسن بنا دیا ہے۔ اس لئے میں نے ایسا کیا۔ اے خدا کے رسولؐ میں اپنے اس نازیبا سلوک کے جرم میں اس شخص کو اپنی آدھی دولت دینے کے لئے تیار ہوں!

رسول خداؐ نے اس فقیر کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا: کیا تم اس بخشش کو قبول کرنے پر تیار ہو؟

مرد فقیر نے کہا: نہیں مجھے قبول نہیں ہے۔

مالدار نے پوچھا: آخر کیوں قبول نہیں ہے؟

مرد فقیر: مجھے ڈر ہے کہ دولت پا کر کہیں میرے اندر بھی یہ قبیح صفت نہ پیدا ہو جائے۔

لھذا! اگر متکبر خود پسند واقعی اپنی سعادت و خوش بختی کا خواہاں ہے تو اس کو اپنی اصلاح

کی فکر کرنی چاہئے اور اس نفرت انگیز صفت سے اپنی شخصیت کو الگ کرنا چاہئے کیونکہ اگر
اس نے اس کی سرکوبی کی کوشش نہ کی تو ہمیشہ ناکامی کا شکار رہے گا۔

(۱۰)

ظلم و ستم

① معاشرے میں عدالت کی ضرورت

② ظلم کے بھڑکتے شعلے

③ دین کا ظلم سے مقابلہ

(۱)

معاشرے میں عدالت کی ضرورت

تاریخی مطالعہ اور انقلابات کی تحقیق ہم کو اس اہم نکتہ کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ تمام اقوام و قبائل اور مختلف ادوار میں جتنے بھی انقلابات و بغاوتیں ہوئی ہیں۔ ان سب کا محور عدالت و انصاف تھا۔ جن لوگوں کے حقوق پامال کئے گئے۔ جن کی آبرو ریزیاں ہوئیں، جو ظلم و ستم کی چکی میں پستے رہے انھیں لوگوں نے مردانہ طریقہ سے شیطانی نظاموں کا مقابلہ کیا اور گوہر آزادی کو حاصل کرنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگادی۔ اور انتھک کوششوں کے ساتھ اپنے مقاصد کے حصول میں لگے رہے۔

لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ان لوگوں کی اکثر و بیشتر کوششیں ناکام رہیں اور وہ اپنی منزل مقصود تک پہونچے بغیر ملک عدم کے راہی ہو گئے اور اس در مقصود کو حاصل نہ کر سکے اور اپنی امیدوں میں ناکام رہے۔

اور ان لوگوں کی ناکامی کا سبب اس نکتہ کی طرف متوجہ ہونے کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ جب بھی معاشرہ کا مزاج اپنی عدالت طبعی کے مدار سے ہٹ جاتا ہے اور اسکے مزاج میں انحطاط و پلیدگی پیدا ہو جاتی ہے تو وہ معاشرہ عدالت پذیر نہیں ہوتا اور نہ وہ کبھی انصاف سے متصف ہو پاتا ہے۔ اور عدالت کا جاری کرنا کچھ ایسے شرائط پر موقوف ہوتا ہے جو اسکے لئے معین و مددگار ہوں اور جب تک وہ شرائط متحقق نہ ہو جائیں عدالت کا نفاذ ناممکن ہوتا ہے،

سب سے پہلے تو معاشرے کو ایک ایسے قانون کی ضرورت ہوتی ہے جو عدالت کی بنیاد پر وضع کیا گیا ہو اور جس میں ہر طبقہ اور ہر فرد کے حقوق کا لحاظ رکھا گیا ہو اور وہ مصالحِ عمومی پر بھی منطبق ہو اس کے بعد اساسی تربیت اور پسندیدہ اخلاق کی تربیت بھی دی گئی ہو۔

عدالت ایک ایسا فطری قانون ہے جو تمام عالم تکوین میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، خداوند عالم نے خطِ سیرِ جہاں کو عدالت کی بنیاد پر قائم کیا ہے جس سے تخلف ناممکن ہے، خود انسان اپنے بدن کے اندر اعضاء کے درمیان اسرار آمیز ہم آہنگی و ہمکاری کا مطالعہ کر سکتا ہے جو عالم تخلیق کی عظیم دستگاہ کا حیرت انگیز مبنی بر تعادلِ دقیق کا درخشاں ترین نمونہ ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ہم اپنے صفحۂ وجود کے مطالعہ سے پورے عالم کے نظام کا اندازہ کر سکتے ہیں، نظام کائنات کے اندر جس تعادل کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ قہری توازن ہے ارادی نہیں ہے، البتہ انسان چونکہ اپنے ارادہ و اختیار میں استقلال رکھتا ہے اس لئے یہ اسکی ذمہ داری ہے کہ اپنے معاشرہ میں اپنے ارادہ و اختیار سے عدالت کی بنیادوں کو مضبوط کرے۔ انسان کی قوت عاقلہ جس طرح بعض مقامات پر تشریعی ہدایت کی محتاج ہے اسی طرح بعض مقامات پر شرع کی ہدایت و رہنمائی سے بے نیاز بھی ہے۔ وہ خود مستقلاً حقائق کا ادراک کر کے اس کے مطابق فیصلہ کر سکتی ہے۔ عقل اچھے کاموں کو قابل قدر سمجھتی ہے اور برے کاموں پر توبیخ و مذمت کرتی ہے۔

بشری زندگی میں عدالت بہت ہی حساس و اہم درجہ رکھتی ہے اور یہ عدالت منجملہ ان اوصاف کے ہے جو سرچشمۂ فضائل ہوتے ہیں۔ مختصراً یہ ہے کہ عدالت ایک ایسی حالت ہے جو انسان کو شائستہ و پسندیدہ اعمال کے بجالانے پر آمادہ کرتی ہے۔ عدالت ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسانی معاشرے کو ایک دوسرے سے مرتبط کرتی ہے اور معاشروں کے درمیان الفت و محبت پیدا کرتی ہے بلکہ معاشروں کو خیر و صلاح کے راستہ پر چلانے کا سبب ہوتی ہے۔

مشہور یونانی فلسفی افلاطون کہتا ہے: جس انسان کے نفس میں عدالت پیدا ہو جاتی ہے،

تو پھر اس کی شعاعیں اس کی تمام قوتوں پر پڑتی ہیں۔ کیونکہ تمام انسانی فضائل اور پسندیدہ صفات کا مرکز یہی عدالت ہے۔ اور یہی عدالت انسان کو مخصوص اعمال بجالانے پر قدرت عطا کرتی ہے اور یہی انسان کی انتہائی سعادت اور خداوند عالم سے تقرب کا ذریعہ ہے۔

اگر منظم اجتماعی زندگی کی عمارت کی خشتِ اول! عدالت کو کہیں تو بعید چیز نہیں ہے اسی عدالت کے سبب انسان اپنی زندگی میں فصلِ جدید کا آغاز کرتا ہے۔ اور اسی عدالت کی بدولت معاشرہ میں نئی روح پھونکی جاتی ہے۔ یہی عدالت حیات انسانی کے محیط کو پُرفروغ بناتی ہے اور زندگی کو جلال و جمال عطا کرتی ہے۔ جس معاشرے کے اندر عدالت کا دور دورہ ہوتا ہے، وہ معاشرہ اس عدالت کی بنا پر حیات دائمی کا مستحق ہو جاتا ہے اور تمام مشکلات کو حل کر لیتا ہے۔

• • •

(۲)

ظلم کے بھڑکتے شعلے

معاشرہ کو کمزور و مضمحل کرنے میں اور اخلاقی و اجتماعی امن عامہ کے برباد کرنے میں ظلم و ستم کی تاثیر ناقابل انکار ہے۔ جو لوگ کسی مذہب کے پابند نہیں ہیں وہ بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں۔ ظلم و ستم کو روابط کی شکست و ریز اور معاشرہ کے نظام کو پراگندہ کرنے میں بہت بڑا دخل ہوتا ہے ظالم و جابر طاقتیں نہ صرف یہ کہ اپنے تمدن کو کھو بیٹھتی ہیں۔ بلکہ اپنے اقتدار سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں۔ ان ظالموں کی تاریخ زندگی پڑھنے سے انسان کو اچھی خاصی

عبرت حاصل ہوتی ہے۔ جنھوں نے اپنے مظالم کے روح فرسا انجام کو دیکھا ہے۔ میں یہاں پر ایک تاریخی زندہ ثبوت پیش کرتا ہوں:

محمد ابن عبد الملک خلفائے بنی عباس کی بارگاہ میں بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ اس کو وزارت کا عہدہ دیا گیا تھا۔ اس سنگدل و ظالم نے قیدیوں کو سزا دینے کیلئے ایک بہت بڑا آہنی تنور بنوا رکھا تھا۔ اور اس تنور کے اندرونی دیواروں میں بڑی بڑی لوہے کی میخیں بنوا رکھی تھیں۔ قیدیوں کو اس تنور میں قید کر دیتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس کے نیچے آگ بھی روشن کرا دیتا تھا۔ اور اس طرح قیدی تڑپ تڑپ کر جان دیدیا تھا۔ جب متوکل تخت خلافت پر بیٹھا تو اس نے محمد بن عبد الملک کو وزارت کے عہدے سے معزول کر دیا۔ اور اس کو اسی آہنی تنور میں مقید کر دیا جو اس نے دوسروں کے لئے بنوا رکھا تھا۔ جب محمد بن عبد الملک کی زندگی کا آخری وقت آیا تو اس نے کاغذ و دوات منگوا کر دو شعر اس کاغذ پر لکھ کر کھلا خط متوکل کے پاس بھجوا دیا وہ دونوں شعر یہ ہیں: ؎

هِيَ السَّبِيلُ فَمِنْ يَوْمٍ إِلَى يَوْمِ + كَأَنَّهُ مَا تَرَاكَ الْعَيْنُ فِي نَوْمِ
لَا تَجْزَعَنَّ رُوَيْدًا إِنَّهَا دُوَلٌ + دُنْيَا تُنَقَّلُ مِنْ قَوْمٍ إِلَى قَوْمِ

"دنیا ایک گزرگاہ ہے جس کو روزانہ چل کر ختم کیا جاتا ہے یہ دنیا خواب کے مانند ہے، رنجیدہ و غمگین نہ ہو آرام سے رہو۔ یہ دنیا تو ایسا سرمایہ ہے جو ہر روز دوسروں کے ہاتھوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔

متوکل نے جب ان شعروں کو پڑھا تو فوراً اسکی آزادی کا حکم دیدیا لیکن اس میں دیر ہو چکی تھی محمد بن عبد الملک تڑپ تڑپ کر جان دے چکا تھا۔

جی ہاں جو لوگ دنیا کو تنازع للبقاء کا میدان سمجھتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنی شان و شوکت کو برقرار رکھنے کے لئے کمزوروں پر ظلم کرتے رہتے ہیں۔ اور کسی بھی جرم کے ارتکاب سے دریغ نہیں

کرتے لیکن ان کو بہت زیادہ مہلت نہیں ملتی مظلوموں کے سینوں سے نکلنے والی آہ ان کے خرمن ہستی کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ اور ایک خونین انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔

ظالم کسی خاص طبقہ یا کسی خاص فرد سے مخصوص نہیں ہے۔ جو شخص چاہے جس جگہ اور جس حالت میں ہو۔ اگر وہ بغیر کسی قید و بند کے زندگی کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہے اور قوانین کے دائرے سے باہر قدم رکھتا ہے۔ تو وہ ظالم و ستمگار ہے۔

افسوس آجکل معاشرے کے اندر ظلم و ستم قوس صعودی کو طے کر رہا ہے۔ ظلم کے شعلے معاشرے کے خرمن ہستی کو پھونکے دے رہے ہیں، تمدن بشری کی بنیادوں کو کھوکھلا کر ڈال رہے ہیں۔ ظالم و ستمگر اپنی طاقت بھر معاشرۂ بشری کے حقوق کو پامال کر رہے ہیں۔ لوگوں کے بے پناہ منابع ثروت کو لوٹے لے رہے ہیں۔ فرشتۂ عدالت ایک بے جان مجسمہ بن کر رہ گیا ہے۔

• • •

(۳)

دین کا ظلم سے مقابلہ

قرآن مجید ستمگاروں کے انجام کا اعلان کرتے ہوئے کہتا ہے: وَتِلْكَ الْقُرٰى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا (پ ۱۵ س ۱۸ (کہف) آیہ ۵۹)۔

اور ان بستیوں کو (جن کو تم دیکھتے ہو) جب ان لوگوں نے سرکشی کی تو ہم نے ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کا وقت معین کر دیا تھا۔

رہبرانِ دین معاشرہ کی پائداری سے بہت زیادہ دلچسپی رکھتے تھے، عدل و انصاف کی

وسعت کے لئے دل سے خواہاں تھے۔ اور یہی ان کا اصلی مقصد تھا۔ انھیں حضرات نے معاشرے میں ظلم وستم کے مقابلہ میں قیام کرنے کی ہمت پیدا کی۔ ظالموں کے کمینگاہوں کو مسخر کر لیا' ان کی وحشیانہ طاقتوں کو شکست دیدی، ظلم کو ناقابل عفو جرم قرار دیدیا۔ اور لوگوں کو اس کے قریب جانے سے اتنا روک دیا کہ شرک کو بھی ایک قسم کا ظلم قرار دیدیا۔

درحقیقت بزرگانِ دین وپیشوایانِ مذہب کا رویہ وطور طریقہ خود ہی ظلم کے خلاف ایک عظیم قیام تھا۔ قرآن کا اعلان ہے: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (پ ۲۷ س ۵۷ (حدید) آیہ ۲۵)

ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح وروشن معجزے دیکر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور انصاف کی ترازو نازل کی تاکہ لوگ عدل وانصاف پر قائم رہیں۔

چونکہ اسلام کا سب سے بڑا مقصد ہر چیز میں عدالت قائم کرنا ہے اس لئے وہ اپنے ماننے والوں کو ہر ایک کے ساتھ کسی چیز کا اعتبار کئے بغیر اور کسی شخصی عنوان کا لحاظ کئے بغیر عدالت ومساوات برتنے کا حکم دیتا ہے۔ حق کشی وستمگری کو ہر اعتبار سے ہر شخص کے ساتھ ممنوع قرار دیتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (پ ۶ س ۵ (مائدہ) آیۃ ۸)۔

اے ایماندارو خدا کی خوشنودی کے لئے انصاف کیساتھ گواہی دو اور خدا کیلئے قیام کرو' تمہیں کسی قبیلے کی دشمنی خلاف عدالت کام پر آمادہ نہ کر دے (بلکہ) تم ہر حال میں عدالت سے کام لو یہی پرہیزگاری سے بہت قریب ہے۔

اسی طرح عدالت وقضاوت کے سلسلہ میں ارشاد فرمارہا ہے:

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (پ ۵ س ۶ (نساء) آیۃ ۵۸)

اور جب لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کیا کرو تو انصاف سے فیصلے کرو

اسلام کی نظر میں عدالت کی اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ اگر کسی شخص کے اندر تمام خصوصیات جمع ہوں۔ لیکن عدالت نہ ہو تو وہ مسند قضا پر بیٹھنے کا حق نہیں رکھتا۔

خود والدین کی حساس و بنیادی ذمہ داریوں میں ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ اپنے اولاد کے معاملہ میں بھی اصول عدالت و دادگری کا لحاظ رکھیں۔ اور بچوں کی سرشت میں عدالت راسخ ہو جائے اور ان کی طبیعت کبھی ظلم و ستم کی طرف مائل نہ ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ ان کے ساتھ ہر قسم کی عدالت برتی جائے۔ جن بچوں کے والدین عدالت نہیں کرتے ان کے اندر کبھی یہ صفت پیدا نہیں ہو سکتی بلکہ وہ فطرتاً ظلم و ستم کے عادی ہوں گے وہ بچے معاشرے کے اندر حق کشی، تجاوز کریں گے۔ بلکہ والدین بھی ان سے عادلانہ برتاؤ نہیں دیکھیں گے۔ رسولؐ خدا نے اس روحانی و تربیتی موضوع کی طرف خاص توجہ فرمائی ہے۔ اور اپنے ماننے والوں کو اس کی بہت تاکید فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں: اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے بچے تمہارے ساتھ مہر و محبت، نیکی و عدالت کا برتاؤ کریں۔ تو ان کو کچھ بھی دینے میں ان کے ساتھ عدالت و مساوات رکھو[1]

برٹرانڈ راسل کہتا ہے: انسانی نفس بخار کی طرح ہمیشہ رو بترقی ہے اس لئے بچوں کی صحیح تربیت کا طریقہ یہ ہے کہ خارجی تعلیمی دباؤ کو اس طرح قرار دیں کہ بچوں کے ذہن و فکر قلبی میلان و جذبات اس کو قبول کر لیں۔ تربیت کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ ان کو ہر وقت زد و کوب کیا جائے اس سلسلہ میں سب سے زیادہ ضروری چیز عدالت کا برتنا ہے۔ عدالت ایک ایسا مفہوم ہے جس کے لئے ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ بچوں کے افکار و عادات میں رفتہ رفتہ کر کے

---

[1] نہج الفصاحۃ ۶۶

داخل کریں۔ عدل کی صحیح تربیت اسی وقت ہو سکتی ہے جب اس بچہ کے ساتھ کئی اور بچے ہوں جو چیز ایسی ہو کہ جس سے ایک وقت میں صرف ایک ہی بچہ لذت و مسرت حاصل کر سکتا ہو۔ اور اس کے حصول کے لئے ہر ایک کی کوشش ہو مثلاً سائیکل کی سواری کہ ہر بچہ کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ بلا شرکت غیر صرف وہی استفادہ کرے تو یہاں پر عدالت کی تربیت دینا ممکن ہے۔ اس طرح کہ بزرگ حضرات نمبر لگا دیں آپ کو تعجب ہوگا کہ تمام بچوں کی خواہشات مغلوب ہو جائیں گی اور سب اس پر تیار ہو جائیں گے، میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ حس عدالت جبلّی و فطری ہے۔ لیکن جب میں نے دیکھا کہ کتنی جلدی یہ عدالت اس نے مان لی تو مجھے بہت تعجب ہوا لیکن اس میں عدالت حقیقی ہونا چاہئے اس میں ایک بچہ کو دوسرے پر ترجیح نہیں دینی چاہئے۔ اگر آپ کسی ایک بچہ سے زیادہ محبّت کرتے ہیں، تو اس کا لحاظ رکھئے کہ اپنے جذبات پر کنٹرول کیجئے۔ ایک قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ کھیل کود کے اسباب (اور کھلونوں) میں مساوات رکھیئے۔ کسی تمرین یا اخلاقی ورزش کے ذریعہ بچوں میں عدالت پیدا کرنا سعیِ لاحاصل ہے۔

معصوم کا ارشاد ہے: اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری اولاد تمہارے ساتھ نیکی و حسن سلوک کرے تو اپنی اولاد کے درمیان عدالت و مساوات برتو اور خدا سے ڈرو! [1]

حضرت علیؑ نے جب محمدؐ ابن ابی بکر کو مصر کی گورنری دی ہے تو جو دستوران کو دیئے ہیں، ان میں سے ایک میں ہے: ان کے لئے اپنے بازوؤں کو جھکا دو۔ ان کے ساتھ خوشروئی سے پیش آؤ۔ ان کے ساتھ اوقات و لمحات میں مواسات کرو تاکہ بڑوں کو تم سے ظلم کی توقع نہ رہے، اور غریبوں کو تمہارے انصاف سے مایوسی نہ ہو۔ [2]

سفرائے الٰہی بنیان گزار عدالت اور انسان کی تکمیل کی سعی کرنے والے تھے، حضرت علیؑ کی ظاہری خلافت میں جناب عقیل (حضرت علیؑ کے حقیقی بھائی) ایکمرتبہ حضرت علیؑ کے پاس

---

[1] نہج الفصاحۃ ص ۸ [2] نہج البلاغۃ ص ۸۷۷

آئے. اور اپنی تہی دستی و پریشانی کا شکوہ کیا. اور اصرار کیا کہ آپ مجھے میرے حق سے تھوڑا سا گیہوں زیادہ دیدیں. حضرت علیؑ نے بہت سمجھایا. جب ان کا اصرار بڑھتا گیا تو آپ نے ایک لوہے کے ٹکڑے کو گرم کر کے عقیل کے بدن سے قریب کیا. عقیل تڑپ اٹھے. اس وقت حضرت علیؑ نے فرمایا: اے عقیل تمہاری ماں تمہارے ماتم میں بیٹھے. تم تو اس آگ سے جس کو ایک انسان نے روشن کیا ہے اتنا بیتاب ہو گئے اور نالہ و فریاد کرنے لگے. اور میں اس آگ سے نہ ڈروں، جس کو قہر و غضب الٰہی نے روشن کیا ہو؟ بھلا میں کیونکر اسکا متحمل ہو سکتا ہوں؟ کیا یہ انصاف ہے کہ تم تو ذرا سا جسم کے متأثر ہو جانے پر داد و فریاد کرو اور میں عذاب الٰہی پر صبر کروں!؟ اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا: خدا کی قسم اگر پوری دنیا کی حکومت مع اس کی دولت و ثروت کے اس شرط کے ساتھ میرے سپرد کی جائے کہ ایک چیونٹی کے منھ سے ظلم و ستم کے ساتھ میں جَو کے چھلکے کو چھین لوں. تو میں ہرگز قبول نہ کروں. یہ پوری دنیا اور تمہاری محبت اس چیز سے کہیں پست ہے کہ اسکی خاطر میں کسی چیونٹی کو آزردہ کروں!

امام حسینؑ نے یزیدی ظلم کے خلاف اور آئینِ عدالت و مقصدِ انسانیت کے لئے اتنا عظیم قدم اٹھایا تھا. کہ آج بھی تاریخ بشریت کی پیشانی پر وہ اقدام روشن و منور ہے۔

● ● ●

(۱۱)

دشمنی وعداوت

① برائیوں سے چشم پوشی کیوں نہ کریں

② دشمنی کے نقصانات

③ امام زین العابدینؑ کا اپنے دشمنوں سے برتاؤ

(۱)

برائیوں سے چشم پوشی کیوں نہ کریں

یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ: معاشرے سے صرف نظر کرنا اپنے ہم نوع افراد سے قطع روابط کر کے گوشۂ تنہائی میں محدود ہو جانا ناممکن ہے۔ کیونکہ انسان ایک نیازمند موجود ہے اور اس کے نیازمندی کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ اس لئے فطرت و ضرورت کا تقاضا ہے کہ انسان کی زندگی معاشرہ کی بنیاد پر استوار ہوتا کہ تعاون و ایک دوسرے کے سہارے زندگی کی گرہیں یکے بعد دیگرے کھلتی جائیں۔ یاد رکھئے اجتماعی زندگی کے بھی کچھ شرائط ہیں انسان جوں ہی معاشرہ میں قدم رکھتا ہے ان قیود و شرائط کی پابندی اس کیلئے ضروری ہو جاتی ہے۔

اجتماعی زندگی "جو آدمی کی تکوین شخصیت میں مؤثر عامل ہے" کو صرف جسمانی دائرے تک محدود نہیں رکھنا چاہئے۔ بلکہ اس میں روحانی اتحاد اور روحی تناسب و ہم آہنگی بھی ضروری ہے، اور جس وقت معاشرہ میں صوری و معنوی اتحاد پیدا ہو جاتا ہے۔ اور روابطِ عمومی محور اتحاد پر گردش کرنے لگتے ہیں۔ تو پھر زندگی کے اندر خلوص و محبت کا پیدا نہ ہونا محال ہوتا ہے

اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ انسان کا اپنے ہم نوع افراد سے رابطہ کا تقاضا غض بصر ہے، ہماری اپنی اجتماعی زندگی میں ایک اہم ترین و بنیادی فریضہ "چشم پوشی" ہے یعنی دوسروں کی لغزشوں،

اور برائیوں کو معاف کر دیتا ہے۔

سب سے زیادہ آسائش و آرام اسمیں ہے کہ انسان تمام لوگوں سے صلح وصفائی اور مدارات رکھے، ہر شخص کو یہ بات اپنے ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اس کائنات رنگ و بو میں کوئی شخص نقص و عیب سے پاک نہیں ہے۔ جو لوگ میزان بے عیبی پر پورے اُترتے ہوں۔ ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ برجستہ ترین افراد بھی لغزشوں سے پاک نہیں ہوتے۔ اس لئے ہر شخص کو چاہئیے کہ دوسروں سے خلاف توقع ہونے والی غلطیوں کو بھی ایک حد تک درگزر کر دے۔ اور اس کا تحمل کرلے کیونکہ بہت سے ایسے مواقع ہیں جہاں مکمل صلح عفو و درگزر کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے، ہر شخص کا مزاج الگ ہوتا ہے اور یہ اس کے اخلاقی و روحانی شخصیات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اپنے نفس پر کنٹرول کر لینے اور ایک قسم کی بہادری و جوانمردی کا بہترین نمونہ عفو و بخشش ہے۔ جن لوگوں میں یہ فضیلت (عفو و درگزر) کافی مقدار میں پائی جاتی ہے اور وہ قدرت کے باوجود دوسروں کی غلطیوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ ان کے اندر جو اطمینان پایا جاتا ہے اس کی برابری دنیا کی کوئی چیز نہیں کر سکتی۔ عفو کر دینا روح کی نیرومندی کی دلیل ہے اور ایک ایسا عطیۂ الٰہی ہے جو مہربانی و نیکی کا سرچشمہ ہے۔ اس کے سہارے انسان خود پرستی کی قید سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ دوسروں کی برائیوں اور زیادتیوں سے چشم پوشی کرنا اگرچہ فطرتاً بہت دشوار چیز ہے۔ اور نفس بھی ابتدا میں اس پر تیار نہیں ہوتا۔ لیکن انسان جتنا جتنا اس صفت پر عمل کرتا جائے گا اس کے باطن میں پیدا ہونے والے ہیجانات کے بحران میں محسوس طریقہ سے کمی ہوتی جائے گی، اور آخر کار وہ شخص "عفو کنندہ" بن جائے گا۔

عفو و درگزر کرنا یقینی طور سے دشمن کے دل پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اور گہری طور سے دشمن کے اندر ایک قسم کا تغیر پیدا کر دیتا ہے اور اس کی فکر کو بدل دیتا ہے اس لئے کہ شدید ترین دشمن، بڑا اکھڑ اور بڑے سے بڑا مخالف اس شخص کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے جس کے

پاس عفو و درگزر کا مضبوط ترین ہتھیار ہو۔ اور جوانمرد و پُر شفقت فکر کا مالک ہو۔

ایک دانشمند کہتا ہے: خداوند کا ایک ایسا بہترین عطیہ انسان کے پاس ہے جو دیگر کسی حیوان کے اندر نہیں ہے۔ اور وہ دوسروں کی خطاؤں اور غلطیوں کو معاف کر دینا ہے جو شخص آپ کو اذیت کرتا ہے وہ آپ کو بہترین موقع دیتا ہے کہ آپ اس کو معاف کر کے لذت عفو سے ہمکنار ہو جائیں۔

یہ بات بہت مشہور ہے اور بہت اچھی ہے جو عقلمندوں نے کہی ہے: اپنے دشمنوں کو معاف کرو ــــ لیکن بزرگوں نے یہ کبھی نہیں کہا ہے کہ دوستوں کی غلطیوں کو معاف نہ کرو۔ اس لئے ہر حال میں دوسروں کی غلطیوں کو (خواہ دوست ہو یا دشمن) معاف کر دینا ہی بہتر ہے۔

دیکھئے اگر آپ نے اپنے دشمن سے انتقام لے لیا تو آپ میں اور اسمیں کوئی فرق نہیں رہا آپ اسی کے ہم پلہ ہو گئے لیکن اگر آپ نے معاف کر دیا تو آپ کو اس پر برتری حاصل ہو گئی وہ برائی کرنے والا رہا۔ اور آپ اچھائی کرنے والے رہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی سوچئے اگر آپ دوسرے کو گزند پہونچانا چاہیں تو ہو سکتا ہے اس میں کامیاب نہ ہوں لیکن اگر آپ اپنے دشمن کو معاف کر دیں تو آپ اس کو مارے پیٹے بغیر مغلوب کرنے میں کامیاب ہو گئے اور اسطرح بڑے اچھے طریقے سے آپ نے اپنے دشمن سے انتقام لے لیا۔ اور اس کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا۔ بنا بریں دشمنی کو ترک کر دینا اور دشمن کے مقابلے سے ہٹ جانا ہی دشمن پر زبردست حملہ ہے کیونکہ اس صورت میں اس کی مغلوبیت حتمی ہے۔ اور انتقام لینے کی صورت میں احتمالی ہے۔ جب دوسرے برائی کریں تو ہم کو نیکی کرنی چاہئے برائی کے مقابلہ میں نیکی ایک ایسی آسمانی سیاست ہے جس کی بدولت زمین قائم ہے،

● ● ●

(۲)

دشمنی کے نقصانات

مختلف خطرناک اخلاقی بیماریوں میں سے ایک بدترین بیماری "کینہ وعداوت" ہے، اس سے زیادہ کوئی بھاری وزن دوش انسانیت پر نہیں رکھا گیا۔ سعادت وآسائش کیلئے ایک زبردست بیماری کینہ پروری ہے جس کا سرچشمہ غیظ وغضب ہے۔ یہ بیماری انسان کی روح کو اعتدال پر باقی نہیں رہنے دیتی۔ کبھی خشمگین آدمی کے لئے ایسے اسباب وعلل پیدا ہوجاتے ہیں جس سے اس کا اندرونی بحران کم ہوجاتا ہے اور وقتی طور سے غصہ کے بھڑکتے ہوئے شعلے دل میں خاموش ہوجاتے ہیں۔ لیکن بہت ممکن ہے کہ اسی راکھ کے ڈھیر سے کوئی ایسی غصہ کی چنگاری بھڑک اٹھے جو اس کے خرمن سعادت کو جلاکر خاک کر دے۔

جس طرح عفو درگزشت بزرگی اور تعادل روحی کا سبب اور موجبِ وحدت وصلح ہے اسی طرح کینہ وعداوت روح خوانخواری کی مظہر اور موجب پراکندگی وتشتت ہے یہ ضرور ہے کہ دشمنی سے باطنی ہیجان کو سکون ملتا ہے۔ لیکن دوسری طرف سے جو نقصان ہوتا ہے وہ بدی کا بدی سے مقابلہ کرنے کے بہ نسبت بہت کم ہوتا ہے کیونکہ وہ آزار جیسا بھی ہو کسی نہ کسی طرح گزر جاتا ہے۔ لیکن اگر آدمی دشمنی پر اتر آئے تو پھر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس کے دل وجان میں ایک زہرآلود کانٹا چبھ جاتا ہے جو اس کو برابر عذاب میں مبتلا رکھتا ہے اور اس دشمنی سے قطع نظر وہ برائی کو ختم بھی نہیں کر پاتا بلکہ دشمنی کی خلیج اور عمیق ووسیع ہوجاتی ہے اور قہری طور سے دشمنی اپنے غریزۂ دفاع کے مطابق مزید مبارزہ کے لئے آمادہ اور مسلح تر ہوجاتی ہے۔

کبھی تو دشمنی کے نتائج اتنے خطرناک و دردناک ہوتے ہیں جن کا جبران ممکن ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کینہ و عداوت سے پیدا شدہ ایک عظیم و غیر عاقلانہ غلطی ایسی ہو جائے جس کے بوجھ کو انسان زندگی بھر اپنے کندھوں پر محسوس کرتا رہے اور ہمیشہ روحانی شرمندگی کا رنج اٹھاتا رہے۔

البتہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جن کی زندگی کی لغت میں عفو و درگذشت کا کوئی خانہ نہیں ہے وہ زندگی میں کبھی اپنی اہانت اور اپنے اوپر کئے گئے ظلم کو بھول نہیں پاتے۔ اور یہی حد افراط تک پہونچی ہوئی سخت گیری اور شدید حساسیت اس بات کا سبب بنتی ہے کہ وہ اپنی طاقتوں کو انتقام کے لئے صرف کر دیتے ہیں اور اپنے کو زندگی بھر آتش غضب میں جلاتے رہتے ہیں جو لوگ زود رنج ہوتے ہیں ان کے یہاں کینہ و عداوت کی زمین زیادہ ہموار رہتی ہے ایک وہ شخص جو ضعیف النفس ہو، زود رنج ہو وہ چھوٹے سے چھوٹا انتقام بھی اپنے خلاف برداشت نہیں کر پاتا۔ اس کے برخلاف جو لوگ پختہ کار ہوتے ہیں اور طاقتور ہوتے ہیں وہ اپنے خلاف کئے جانے والے نقد و تبصروں سے نئے نئے نکات سیکھتے ہیں اور ان انتقادات کے سبب اپنی اصلاح کر لیتے ہیں۔ ع ۸

ایک دانشمند کا کہنا ہے: رنجیدہ ہو جانا ناپختگی کی دلیل ہے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ درحقیقت اس سے توہین و تحقیر مقصود ہی نہیں ہوتی جس سے نازک دل اور زود رنج انسان رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو تحقیر یا توہین ہوئی ہے وہ نادانستگی میں ہوئی ہو۔ جان بوجھ کر نہ ہوئی ہو۔ اور اگر ایسا ہے تو وہ رنجش و شکایت نہ ہونی چاہئے ہاں اگر توہین عمداً کی گئی ہو اور قصداً تحقیر کی گئی ہو اور تکلیف پہونچائی گئی ہو تو اگر وہ بات واقعاً درست ہے اور اس شخص کے اندر وہ نقص و عیب ہے تو یہ چیز عقلمند کے تنبہ اور بیداری کا سبب بن جاتی ہے اس کو رنج و غم کا سبب بننا ہی نہ چاہئے اور اگر وہ بات غلط ہے اور

اس کے اندر وہ عیب و نقص واقع میں نہیں ہے تو پھر اس کی طرف توجہ ہی نہ کرنی چاہئے اس کو اس کان سے سنکر اس کان سے اڑا دینا چاہئے۔ کیونکہ ایسا شخص حاسد و بدخواہ ہے یا پھر بچوں کی طرح کینہ رکھتا ہے اور انتقام پر اتر آیا ہے اور یا پھر وہ شخص اتنا احمق و نادان ہے کہ دوسروں کی تحقیر کرکے اپنے کو بڑا ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اور ظاہر ہے ایسے آدمی سے رنجیدہ ہونے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

بعض اشخاص میں انتقامی روح حقارت کے ردعمل کے طور پر بیدار ہوجاتی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ بچپنے میں جو خشونت آمیز برتاؤ اور روح فرسا دباؤ ان کے ساتھ رہا ہے یا معاشرہ میں جو سلوک ان کے ساتھ کیا گیا ہے اس کا بہت گہرا اثر ان کے دل پر باقی رہتا ہے اور اسی کے نتیجہ میں وہ شدید کینہ پروری کا شکار ہوجاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ انتقام ایک ایسا ذریعہ ہے کہ حقارت و ذلت کے شکار حضرات اپنی شکست کا جبران اسی سے کرنا چاہتے ہیں اور مختلف طریقوں سے دوسروں کو آزار پہونچاتے رہتے ہیں اور اس کے لئے ہر خطرناک ترین جرم کا بھی ارتکاب کرتے ہوئے نہیں ہچکچاتے۔

دوسروں کی برائیوں کو بھول جانے کا ایک سبب زندگی میں مقدس و عالی مقصد کی طرف متوجہ ہونا ہے جس شخص کی روح درخشاں ہوتی ہے اور اسکی نظر میں "مقدس و عالی" مقصد پر مرکوز ہوتی ہیں اس کے پیش نظر مقصد کے علاوہ دوسری چیز ہوتی ہی نہیں وہ اپنی برائیوں اور مخالفتوں کے بارے میں کوئی توجہ ہی نہیں کرتا۔ برائیوں کی روح میں تاثیر اور ایک فکر کی جگہ دوسری فکر کی تبدیلی اسی طرح ایک مذموم صفت کے مقابلہ میں کسی فضیلت کے نقطہ پر اپنی فکر کو مرکوز کرنا یہ سب ہمارے اختیار کی چیز ہے اس لئے اپنی قوت ارادی کے سہارے مختلف عوامل کی تاثیر کو اپنے افکار سے کم کیا جاسکتا ہے۔ اور کینہ پروری کو ختم کرنے کیلئے کافی طاقت حاصل کی جاسکتی ہے۔ اب اگر ہم خود ہی اپنے فرائض سے غفلت برتیں تو پھر کوئی شخص بھی ہماری مدد نہیں کرسکتا۔

انتقام کی مختلف صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ بعض لوگ لباس دوستی پہن کر جس سے انتقام لینا مقصود ہوتا ہے اس کو ایسے امور پر آمادہ کر دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ شقاوت و بدبختی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اس طرح وہ اپنے جذبۂ انتقام کو سکون پہونچاتے ہیں۔

ایک مغربی دانشمند کہتا ہے: "دشمنی اور کینہ پروری حماقت کا نتیجہ ہے۔ خصوصاً جب اس کی کوئی علت نہ ہو۔ بہت سے موضوعات کو دوستانہ طریقہ سے حل کیا جا سکتا ہے لیکن ہماری خود پرستی ایسا نہیں کرنے دیتی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ معمولی کدورت کی بنا پر ہم اپنے دوستوں کو اپنے سے دور کر لیتے ہیں۔ حالانکہ ہم کو معلوم ہے ان کا کوئی خاص گناہ نہیں ہے پھر بھی ہم ان کو نہیں بخشتے۔ واقعی ہم کو معلوم نہیں ہے کہ اپنے سے اس قسم کی ستمگری کو کیونکر دور کر سکتے ہیں۔"

• • •

(۳)

امام زین العابدینؑ کا دشمنوں سے برتاؤ

ہمارے دینی رہبروں نے ہم کو عفو و درگذر بزرگواری و شرف کا سبق دیا ہے اس لئے کہ ان کی روحانی طاقتیں بہت بلند تھیں۔ ایکمرتبہ حضرت سجادؑ کے پاس کچھ اصحاب بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ ایک سیاہ دل آیا اور آتے ہی حضرت سجادؑ کی خدمت میں گستاخی کرنے لگا۔ ناسزا کہنے لگا۔ اور امامؑ اسی طرح حلم و بردباری کے ساتھ بیٹھے ہوئے اس کو دیکھتے رہے۔ جب وہ اپنی بات ختم کر کے چلا گیا تو امامؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: میرا جی چاہتا ہے۔ آپ لوگ میرے ساتھ چلیں تاکہ میں اس شخص کو جواب دوں۔ تمام لوگ آپ کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

اس شخص کے گھر پہونچ کر حضرت نے اس کو بلوایا۔ وہ شخص مقابلہ کے لئے باقاعدہ تیار ہو کر باہر آیا۔ امامؑ نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے اس طرح فرمایا: برادر تم نے میری طرف جو چیزیں منسوب کی ہیں اگر وہ درست اور واقع ہیں تو میں خداوند عالم سے اپنے لئے طلب عفوو بخشش کرتا ہوں۔ اور اگر وہ چیزیں غلط اور خلاف واقع تھیں تو میں خدا سے دعا کرتا ہوں تم کو اپنی عنایتوں کا مشمول بنائے۔ اور اپنا بیکراں لطف وکرم تم پر نازل کرے۔

امامؑ کی اس ملاطفت آمیز گفتگو سے اس شقاوت پیشہ شخص کی روح بہت متاثر ہوئی اور اس کا تمام رنج وغم دور ہو گیا۔ اس کے چہرے پر پشیمانی کے آثار نمایاں ہو گئے اور وہ اشک ندامت بہاتے ہوئے بولا: مولا آپ کا وجود مقدس ان چیزوں سے بلند و برتر ہے۔ مجھ سے جو بدتمیزی ہوئی ہے اور جو کلمات میرے منھ سے جاری ہوئے ہیں ان کا درحقیقت میں مستحق ہوں ــــ امامؑ نے اپنے ماننے والوں کو اس طرح عفو وبخشش کا عملی سبق دیا۔ اور عفو وبخشش کی وجہ سے اس شخص کے دل میں جو انقلاب پیدا ہوا اس کو عملاً دکھا دیا۔

۱۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: سب سے بدترین عیب یہ ہے کہ لوگوں کو بہت کم معاف کیا جائے اور سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انتقام لینے میں جلدی کیجائے۔ [۱]

جوانمرد لوگ ہمیشہ دوسروں کی لغزش سے چشم پوشی کرتے ہیں اور اپنی بزرگواری کی بنا پر انکو بخش دیتے ہیں۔ ۲۔ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: لوگوں کو معاف کر دینا۔ ان کی لغزشوں سے چشم پوشی کر لینا جوانمرد اور شریف لوگوں کا کام ہے۔ [۲]

۳۔ قرآن مجید مسلمانوں کو عفو ودرگزر کی تعلیم دیتے ہوئے اعلان کرتا ہے: وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (پ ۱۸ س ۲۴ (نور) آیۃ ۲۲)۔ ان کو چاہئے کہ (ان کی خطا) معاف کر دیں۔ اور درگزر کیا کریں کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ خدا تمہاری

۱۔ غرر الحکم ص ۵۳۷ ۲۔ غرر الحکم ص ۷۶۸

خطا معاف کر دے۔

۴۔ دوسری جگہ اعلان کرتا ہے: لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (پ ۲۴ س ۴۱ (فصلت ع) آیہ ۳۴) اور بھلائی و برائی (کبھی) برابر نہیں ہوسکتی تو (سخت کلامی کا) ایسا جواب دو جو نہایت اچھا ہو (ایسا کروگے) تو تم (دیکھوگے کہ) جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمہارا دل سوز دوست ہے

قدرت وطاقت کے وقت درگزر کر دینا تو بہت ہی عمدہ صفت ہے۔ حضرت امام جعفر صادق ؑ نے اس اعلیٰ صفت کو انبیاء و پرہیزگاروں کے صفات میں شمار فرمایا ہے: چنانچہ حضرت امام جعفر صادق ؑ فرماتے ہیں: ۵۔ قدرت و توانائی کی حالت میں عفو کرنا انبیاء و پرہیزگاروں کی سنت ہے [۱]

۶۔ حضرت علی ؑ کا ارشاد ہے: اپنے دشمنوں کے ساتھ احسان کر کے ان کو سزا دو اور ان کے شر کو اپنے سے ان پر انعام کر کے دور کرو۔ [۲]

حضرت علی ؑ نے کینہ پروری کے سلسلے میں حقائق و نکات کا انکشاف فرمایا ہے کہ کینہ پرور لوگ ایک قسم کی عداوت و بیرحمی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان کے قلوب جذبات سے خالی ہوتے ہیں، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں: ۷۔ کینہ پرور شخص کا دل سخت ترین دل ہے [۳]

کتاب روانکاری میں ہے: کینہ پرور بہت غصہ والا ہوتا ہے اور دشمنی میں بے رحم ہوتا ہے۔ وہ ایک رومال کی خاطر پورے بازار کو آگ لگا سکتا ہے، انتقام لینے والا شخص بظاہر چاہے جتنا نرم، مؤدب و شیریں کلام ہو۔ لیکن اس کے باطن میں کینہ و شقاوت و انتقام کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ اور اس کے دل میں ایک آتش فشاں چھپا ہوا ہوتا ہے۔ جو جب جوش میں آتا ہے تو ہر خشک و تر، دوست و دشمن کو جلا دیتا ہے۔

کینہ پروری کی روح اور عمیق جوش انتقام اس کو انتقام پر ابھارا کرتا ہے۔ چنانچہ

ع ۵ اس سے مراد حم السجدہ ہے [۱] سفینۃ البحار ج ۲ ص ۲۰۷ [۲] نہج البلاغہ ص ۱۱۵۰ [۳] غرر الحکم ص ۱۷۸

معصومؑ کا ارشاد ہے ؛ کینہ پرور شخص کی روح مسلسل عذاب و شکنجہ میں گرفتار ہے۔ رنج و غم گہرا خوف اس کو ہمیشہ آزار پہونچاتا رہتا ہے [1]

ڈاکٹر ویل کارنگی کہتا ہے : جس وقت ہمارے دل میں اپنے دشمنوں کی طرف سے کینہ پیدا ہوجاتا ہے تو ہم ان کو اپنے خواب و خوراک و فشار خون و سلامتی بدن بلکہ خوشی پر مسلط کر لیتے ہیں، یعنی ہر وقت انھیں کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں ۔ حالانکہ ہمارا کینہ ان کو کوئی ضرر نہیں پہونچاتا بلکہ ہم خود دن رات ایک عذاب میں مبتلا رہتے ہیں۔

آج کل کے دانشمندوں نے روحانی بیماریوں کا پتہ لگایا ہے کہ وہ بیماریاں ہمارے لاشعور میں ہوتی ہیں اس کے بعد ان بیماریوں کے علاج کی کوشش کرتے ہیں۔

معصومؑ کا ارشاد ہے : اصلاح نفس کرتے ہوئے چھپی ہوئی کینہ توزی اور چھپے ہوئے اندیشے ظاہر و روشن ہو جاتے ہیں [2]

کینہ پرور لوگوں کی ایک خاص صفت یہ بھی ہے کہ جب تک وہ انتقام نہیں لے لیتے ان کو سکون نہیں ملتا اور ان کے دل میں عداوت کے بھڑکتے ہوئے شعلے خاموش نہیں ہوتے حضرت علیؑ کا ارشاد ہے کینہ ایک چھپی ہوئی بھڑکتی آگ ہے، جب تک آدمی کامیاب نہیں ہوجاتا یہ آگ خاموش نہیں ہوتی [3]

کینہ پرور شخص دوسروں کو ڈرا، دھمکا کر، عتاب و خطاب کر کے خاموش رہنے پر آمادہ کرتا ہے اور اطاعت و تمکین پر آمادہ کرتا ہے۔ اسکی نظر میں دوسروں کو مغلوب و منکوب کرنا اتنا پسندیدہ شیوہ ہے اور انتقام جو "ٹائپ" لوگوں کی نظروں میں اتنا مشروع و ضروری ہے کہ اگر کسی جگہ پر وہ چشم پوشی سے کام لے لیں اور انتقام کے بجائے عفو کر دیں تو اپنے کو ملامت کرتے ہیں اپنے کو بے حقیقت سمجھتے ہیں۔ اور اپنے کو کمزور خیال کرتے ہیں۔

میں ایک بہت پڑھے لکھے عالی مرتبہ افسر کو جانتا ہوں کہ ایکمرتبہ اسکی کار کی ٹکر ایک غریب و

---

[1] غرر الحکم ص ۸۵ [2] غرر الحکم ص ۴۹۰ [3] غرر الحکم ص ۱۰۶

مفلوک الحال شخص کی سائیکل سے ہوگئی اور سائیکل سوار کے خورجین میں جو دو پیالے بھرے ہوئے دہی کے تھے زمین پر گر گئے ٹکر کھا کر گرنے کی وجہ سے سڑک سفید تو ہو ہی گئی تھی۔ اس کے دو پیالے بھی ٹوٹ گئے تھے اور پچھلا پہیہ مڑ کر مثلث کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ شاید غلطی بھی سائیکل سوار ہی کی تھی، لیکن وہ بے چارہ اس حالت میں بہر حال دلجوئی کے قابل تھا۔ لیکن افسر اس کو گالیوں سے نواز رہا تھا۔ اور سائیکل سوار بھی زخمی ہونے کے باوجود جو بڑی مشکل سے اس نچتہ سڑک سے نیم خیزی کی صورت میں سڑک پار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ خاموش نہیں تھا۔ بلکہ سالہا سال سے بڑے لوگوں کے خلاف اس کے دل میں جو نفرت تھی اس کو رکیک ترین الفاظ میں انڈیل رہا تھا۔ اس کی اس دشنام دہی سے میرا دوست جو افسر تھا اپنی کار سے اتر کر اس بدتمیزی کی خبر لینا چاہتا تھا، اور قرار واقعی سزا دینا چاہتا تھا۔ لیکن میں اور میرے ایک دوسرے دوست جو گاڑی پر ساتھ تھے۔ اس افسر کو روکنے میں کامیاب ہو گئے اور اس نے بھی ہمارے اصرار کے پیش نظر صرف نظر کر لی لیکن پوری رات جہاں ہملوگوں نے مہمانی میں بسر کی تھی وہ افسر بار بار اپنے کو اور ہم لوگوں کو ملامت کرتا رہا کہ آپ لوگوں نے خوامخواہ روک لیا ورنہ اس گستاخ کو میں اس گستاخی کی سزا ضرور چکھا دیتا۔

مختصر یہ کہ ہمارے اصرار پر چشم پوشی کر لینے کے بعد بھی اس کے جذبۂ انتقام کو سکون نہیں ملا تھا (روانکاری)۔ کینہ پروری آتش غضب کو شعلہ ور کر دیتی ہے۔ حضرت امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں:

کینہ غصے کو ابھارنے والی چیز ہے۔[1]

کتاب روانکاری میں ہے: اگر کینہ پرور شخص کے توقعات پورے نہ ہوں ــ خواہ وہ توقعات غلط ہی ہوں ــ تو اس کو بہت سخت غصہ آتا ہے اور جب تک وہ دوسرے پر اپنے زہر کے پیالے کو الٹ نہ دے اسکو سکون نہیں ملتا۔

---

[1] غرر الحکم ص ۲۱۔

جب انسان اپنے دل سے کینہ پروری کو ختم کر دیتا ہے تب ہی اس کو سکون قلب نصیب ہوتا ہے چنانچہ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: جو شخص کینہ کو ختم کر دیتا ہے اس کے قلب و عقل کو سکون مل جاتا ہے [1]

رسالہ سلکسیون کے "بخش روانی" میں ہے: اگر کوئی کینہ و عداوت کی افراط پر کنٹرول کر لے تو ان عصبی بیماریوں سے نجات حاصل کر لے گا جو عدم تعادل روحی کا سبب بنتی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس کے دل میں انتقام و عداوت نہ ہو وہی شخص سعادتمند و خوشبخت ہوتا ہے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: سینہ کو کینہ اور حسد سے خالی رکھنا انسان کی نیکبختی کی علامت ہے [2]

یہاں پر ایک نکتہ کا ذکر کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ کچھ ایسے اعمال بھی ہیں جن کو اسلام چشم پوشی کے لائق نہیں سمجھتا اور وہاں عفو و درگزر کو جائز نہیں جانتا اور وہ چیزیں وہ ہیں، جو نظام اجتماع میں خلل انداز ہوں کیونکہ اسپر شارع کی خاص نظر ہے اگر کسی ایک فرد کی رفتار و کردار سے معاشرہ کو نقصان پہونچتا ہو یا امن عامہ برباد ہوتا ہو تو اسلام وہاں عفو کا قائل نہیں ہے بلکہ اس کی مجازات کو ضروری سمجھتا ہے جیسے وہ مقامات جہاں قصاص ضروری ہو یا حد جاری کرنا ضروری ہو۔

● ● ●

---

[1] غرر الحکم ص ۶۶۶ [2] غرر الحکم ص ۳۹۹

(۱۲)

غصّہ

① غصّہ روک لینے کے فوائد

② غصّہ کے نقصانات

③ رہبر ان کی ھدایات

(۱)

غصّہ روک لینے کے فوائد

انسانی وجود دو قوی تر چیزوں (عقل و ارادہ) سے مرکب ہے۔ عقل تجلّیاتِ روح کے اس فروغ کو کہتے ہیں جو انسان کی قسمت کا فیصلہ کرتی ہے۔ اور ہر فرد کی شخصیت کی واقعی معرف ہے۔ اور یہی عقل وہ روشنی کا چراغ ہے جو انسان کی تاریک زندگی میں نور پھیلا کے زندگی کی پُر پیچ راہوں میں رہبری کا حق ادا کرتا ہے۔

ہر انسان کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے باطن میں چھپے ہوئے مختلف احساسات کی تربیت کی کوشش کرے اور اس کو افراط و تفریط کی سرحدوں سے محفوظ رکھے۔ انسان کی قوت عاقلہ ہی احساس کے حدود کو معیّن کرتی ہے تاکہ انسان ان پوشیدہ ذخیروں اور سرمایوں سے صحیح استفادہ کر سکے اور سختئ مزاج کو اپنے اوامر پر جس طرح چاہے اطاعت کرنے پر مجبور نہ کر سکے یہ بات طے شدہ ہے کہ جب عقل کا نور ہمارے محیط جذبات پر ضوفشاں ہوتا ہے تو انسان کی آسمان زندگی پر ستارۂ نیک بختی کا چمکنا ضروری ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص عقل کی رہنمائی قبول نہ کر کے جذبات کے سمندر میں بہنے لگے تو پھر اسکی شخصیت مجروح ہو جاتی ہے اس کا استقلال کمزور پڑ جاتا ہے۔ اور وہ شخص زندگی کے میدان میں مات کھا جاتا ہے۔

اب رہا ارادہ۔ جو سب سے مؤثر ترین اخلاقی عامل ہے۔ تو یہ اچھے مقاصد تک پہونچنے اور بہترین آرزوؤں تک رسائی حاصل کرنے کا سب سے قوی ذریعہ ہے۔ اور ان

کی نیک بختی میں پورا پورا دخل رکھتا ہے، اور یہی ارادہ انسان کو اور اس کی نیکبختی اور اس کی شخصیت کو پست خصائل سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

اس فانی زندگی کو خوشگوار بنانے کیلئے قیمتی اور قوی اور مضبوط و محکم ارادہ کا مالک ہونا ضروری ہے تاکہ انسان ان حادثات کا سختی سے مقابلہ کر سکے جو اس کی زندگی کے مختلف گوشوں کو متاثر کر دیتے ہیں۔ انسان اس قوت کی تربیت میں ۔ جو زندگی کی کامیابی کا مرکز ہے ۔ جتنی کوشش کریگا اسی حساب سے اکتساب فضائل و اجتناب رذائل پر قادر ہوگا۔ اور اس کی روح ایک استقراری حالت پیدا کر کے تزلزل و انحراف سے محفوظ ہو جائے گی۔

ایک مغربی مفکر کہتا ہے: عقل کی ایک بہت عمدہ ایسی تعریف کی جا سکتی تھی جو عقل کے صفت توازن پر بھی مشتمل ہو اور وہ تعریف یہ ہے کہ عقل قوتِ منظمہ کا نام ہے۔ اور یہ قوت منظم مرد و عورت کے اندر ایسی ہی ہے جیسے گاڑیوں میں ایسا آلہ لگا دیا جائے جو ایکسیڈنٹ سے گاڑی کو بچا لیتا ہے۔ اور آجکل ایسی بسیں اور کاریں ۔ جو بہت قیمتی ہیں ۔ ایجاد ہو چکی ہیں، جو راستوں کی خرابی کی وجہ سے ہونے والے ایکسیڈنٹ، اور جھٹکوں سے محفوظ رہتی ہیں، تاکہ مسافروں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ بلکہ سخت ترین راستوں میں بھی وہ مسافروں کو راحت و آسائش بہم پہونچاتی ہیں۔ جرم ایک غیر متوازن شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ آپ جس وقت اپنی عقل پر حکومت کرنے کے لائق نہ ہوں گے اس وقت اپنے اختیار اور مضبوط ارادہ کے ساتھ اپنے نفس پر بھی حکومت کے لائق نہ ہونگے۔ اور جو شخص حکم عقل کے تابع نہیں ہوتا وہ قطع نظر اس بات کے کہ وہ غیر فعال اور بے اثر ہوتا ہے۔ وہ ایک خطرناک شخص ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے نہ مفید ہوتا ہے نہ آبادکار ہوتا ہے۔ بلکہ نقصان دہ اور مضر ہوتا ہے۔ پہاڑوں کے دامن میں بہنے والی چھوٹی نہروں کے ہر ہر جزء کی صدا بڑی بڑی نہروں کی صدا سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اور با اخلاق لوگ ان بڑی نہروں کے مانند ہوتے ہیں جو ہموار و وسیع زمینوں پر بہتی ہیں۔

گرم اور ضرورت سے زیادہ سخت فطرت ایک محکم اور مضبوط ارادہ کی محتاج ہوتی ہے کیونکہ اس قسم کی فطرت اگر قوی ارادہ کے ماتحت نہ ہوگی تو سرکشی وطغیان کی خوگر ہو جائیگی اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسا شخص جب کسی حساس موقع پر تحت فشار ہوگا تو فوری فیصلہ کے ماتحت ایسا قدم اٹھائے گا۔ جس کا نتیجہ نہایت تکلیف دہ ہوگا۔

• • •

(۲)

غصّہ کے نقصانات

نفسیاتی حالتوں میں سے ایک حالت وہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے طبیعت اپنی عادی رفتار سے منحرف ہو جاتی ہے۔ اور اسی حالت کا نام (غضب) ہے۔ جب غضب انسان پر غالب ہو جاتا ہے اور انسانی وجود کو اپنے حصار میں کر لیتا ہے۔ تو روح کے اندر خود بخود عصیان و سرکشی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور اس ناپاک صفت کے تاخت و تاز کیلئے کوئی رکاوٹ نہیں رہتی۔ اور یہ صفت اپنے امکان بھر انسان کو آزار پہونچاتی ہے۔ کیونکہ غصّہ کا پردہ عقل کی بینائی کو روک کر اس سے ادراک و تمیز کی قوت کو سلب کر لیتا ہے۔ غصّہ میں بھرا آدمی کبھی اتنا ہیجانی ہو جاتا ہے کہ اس میں اور حیوان میں فرق نہیں رہ جاتا اور احساس و واقع بینی کی طاقت کھو بیٹھتا ہے اور ہولناک افعال کا اقدام کرنے لگتا ہے۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ابدی گھاٹے کا سودا کر بیٹھے۔ اور اس وقت متوجہ ہو جب بدبختی کے گہرے ترین گڑھے میں گر چکا ہو۔

اس منحوس عادت کا نتیجہ ندامت و پشیمانی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب تک غصہ کی آگ ٹھنڈی ہو "نفسِ لوّامہ" اس کو غصہ کی حالت میں کئے گئے اقدامات پر سخت ملامت کرنے لگتا ہے۔ اور انسان اپنے اعمال و کردار کی خود برائی کرنے لگتا ہے اور اپنے کو عقل و وجدان کی عدالت میں مجرم پانے لگتا ہے۔ اور وہ اس طوفان کے بعد اپنے دل کی گہرائیوں میں شدید تاثر و تأسف کا شکار ہو جاتا ہے۔

غصہ صرف روح ہی کو رنج و غم کی بیڑی میں گرفتار نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا جسم ــ جو نفس و فکر و روح کے راحت کی جگہ ہے ــ بھی غصہ کے خطرناک انجام سے محفوظ نہیں رہ پاتا جس وقت غصہ کی آگ انسانی جسم کو جلانے لگتی ہے۔ تو بڑی سرعت کے ساتھ خون دل میں دوڑنے لگتا ہے۔ اور دل سے رگوں میں دوڑنے کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ جس سے اس شخص کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو جاتا ہے۔ جسم میں رعشہ و کپکپی پیدا ہو جاتی ہے اور سارے اعضاء انتقام کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس کا اختتام التہاب اعصاب، سِل ریوی اور دیگر خطرناک بیماریوں پر ہوتا ہے۔ غصہ کا سب سے خطرناک اثر یہ ہوتا ہے کہ خون مسموم ہو جاتا ہے۔ جیسے کثرت شراب نوشی اور بیڑی، سگریٹ کے استعمال سے خون مسموم ہو جاتا ہے۔

اس بات کی طرف سے کبھی غفلت نہیں کرنی چاہئے کہ قوتِ غضبیہ کا حدِ اعتدال پر باقی رکھنا بہت ضروری ہے اور جب تک یہ قوت اپنے حدود سے تجاوز نہ کرے انسان کے لئے بہت ضروری چیز ہے۔ بلکہ جوانمردی کی علامت ہے۔ کیونکہ "جو غصہ انسان کو ظلم و جور کے مقابلہ میں اپنے حق و حقیقت کے دفاع کے لئے" آئے وہ انسان کی بلند کرداری ہے۔

انتقامی کارروائی ایک ایسی چیز ہے جو انسانی زندگی کو تیرہ و تار بنا دیتی ہے اور لوگوں کے درمیان ایسا شگاف ڈال دیتی ہے جو کبھی پُر نہیں ہو پاتا۔ اور یہ حسِ انتقام ہمیشہ غصہ کیساتھ ہوتی ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص ہر برائی کا مقابلہ برائی ہی سے کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ اور

دوسروں کی روح و جسم کو زخمی کر کے اپنے حس انتقام کو سکون بخشنے پر تیار ہو جائے تو پھر اس کی پوری زندگی نزاع و کشمکش کے نذر ہو جائے گی۔ اور مسلسل زد و کوب و لڑائی جھگڑے کی آماجگاہ بن جائے گی۔ اور سب سے بری بات تو یہ ہوگی کہ ہم اپنی قوت ارادی کو کھو بیٹھیں گے اور پست ہمتی کا ہار پہن لیں گے۔

دنیا میں ہر شخص خطا و اشتباہ سے دوچار ہوتا ہے اس لئے اگر کبھی ہماری غلطی سے کسی کی آتش غضب بھڑک اٹھے تو اس کے خاموش کرنے کا اور اس بات پر آمادہ کرنے کا کہ وہ ہم کو معاف کر دے سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنی غلطی کا اعتراف کریں۔

ویل کارنگی کہتا ہے: جب ہم کو معلوم ہو جائے کہ ہم سزاوارِ تنبیہ ہیں تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم خود اس کا استقبال کر کے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیں؟ کیا وہ ملامت جو ہمارا نفس ہم کو کر رہا ہے وہ ہمارے لئے بہتر اور مناسب نہیں ہے۔ اس ملامت سے جو دوسرے لوگ ہم کو کریں گے؟ اس لئے ہمارے لئے بہتر یہی ہے کہ جو ملامت دوسرے لوگ ہماری کریں گے اس سے پہلے ہم اپنی خطا کا اعتراف کر لیں۔ تاکہ ہمارا دشمن نہتا ہو جائے اور ایسی صورت میں بہت ممکن ہے کہ مخالف محبت آمیز رویہ اختیار کرے اور بخش دے اور ہماری غلطی سے چشم پوشی کر لے

ہر بیوقوف آدمی بھی اپنی غلطی کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے بلکہ ہر موقوف سے بیوقوف آدمی یہی کام کرتا ہے۔ لیکن جو شخص ہمت کر کے اپنی غلطی کا اعتراف کر لے وہ سب سے زیادہ عظیم ہے اور وہ شخص اپنے دل میں نادر و شریف لذت کا احساس کریگا جب ہم کو یقین ہو کہ حق ہمارے ساتھ ہے تو ہماری ڈیوٹی یہ ہے کہ بڑی ملائمت اور تدبیر سے دوسروں کو اپنا ہم عقیدہ بنانے کی کوشش کریں لیکن اگر ہم کو یقین ہے کہ ہم غلطی پر ہیں تو پھر فوراً ہم کو اپنی غلطی کا اعتراف کر لینا چاہئے۔ اور اتفاق یہ ہے کہ غلطی کے مواقع صواب کے مواقع سے کہیں زیادہ ہیں بشرطیکہ ہمارے پاس چشم بینا ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اعتراف گناہ کے بعد نہ صرف یہ کہ حیرت انگیز نتائج ہم ملاحظہ کرینگے

بلکہ دفاع کرنے سے کہیں زیادہ لذت اعترافِ گناہ کر لینے میں محسوس کریں گے۔

معاف کر دینا انسان کے دل میں واقعی خوشی و مسرت کا نور پیدا کرتا ہے اور بلند انسانی جذبات کی نمایندگی کرتا ہے۔ بلکہ ہم معاف کر دینے کے بعد اپنے دشمن کو زیر کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اور دوسرے کے دل میں اعتماد پیدا کر سکتے ہیں اور اس اقدام سے محبت و دوستی کا نور بھی چمکنے لگتا ہے۔ اور معاف کر دینا سبب بنتا ہے کہ دشمن اپنی دشمنی سے دست بردار ہو کر آپ سے دوستی پر آمادہ ہو جائے۔

علم و تجربہ خصومت و دشمنی کے دور کرنے کا اور تہذیب اخلاق کا سبب ہوتا ہے جس وقت انسان کی معرفت کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے اور اس کے افکار و اندیشوں کے آفاق کھل جاتے ہیں اور جو افراد دانشمند اور صاحب تجربہ ہوتے ہیں۔ فریب نفس کے مقابلہ میں ان کی مقاومت کی قدرت و طاقت زیادہ ہوتی ہے۔ اور ایسے لوگ عموماً بہت ہی بردبار ہوتے ہیں۔ اور انکے یہاں دوسروں کی غلطیوں کو معاف کر دینے کی صلاحیت اوروں سے زیادہ ہوتی ہے۔

• • •

(۳)

رہبروں کی ھدایات

اس خطرناک بیماری کا علاج انبیائے کرام و مذہبی رہبروں کی تعلیمات سے بہتر کوئی شئی نہیں ہے۔ اطباء اور علمائے نفسیات نے اس بیماری کے سلسلہ میں جو کچھ بھی کیا ہے وہ اگرچہ بالکل ہی غیر مفید نہیں ہے لیکن علاجِ قطعی بھی نہیں ہے۔ البتہ ائمہؑ نے جو کچھ غصہ کے لئے اپنے حکیمانہ

کلمات سے اس کے انجام کو بیان کیا ہے۔ اور غصہ پی لینے کے فوائد بیان کر کے جو ہماری آنکھیں کھولی ہیں وہ اس سلسلہ میں بہت ہی مفید ہیں۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: غصہ سے بچو کیونکہ غصہ انسان کو مغدرت کی ذلت پر آمادہ کرتا ہے۔

ڈاکٹر ماردن کہتا ہے: غصہ چاہے بھی جس سبب سے آئے غصہ میں آنے والا آدمی غصہ اتر جانے کے بعد اپنے غصہ کی بیہودگی کا احساس کر لیتا ہے اسی لئے وہ کل (گزرا ہوا) اپنے غصہ میں جس کی توہین کر چکا ہے اس سے کل (آنیوالا) مغدرت کر لینے کو واجب سمجھتا ہے۔ اسلئے اگر کوئی اپنی عادت بنالے کہ کل جو فیصلہ کرے گا وہ آج ہی کر لے تو اپنے غصہ میں کمی کر سکتا ہے[1]

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے: غصہ عقلمند کے دل سے نور کو زائل کر دیتا ہے جو شخص اپنے غصہ پر کنٹرول نہیں کر سکتا وہ اپنی عقل پر بھی کنٹرول نہیں کر سکتا[2] اطباء کی نظر میں غصہ کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔ انتہا یہ کہ یہ بات بھی ممکن ہے کہ شدید غصہ انسان کی زندگی کا خاتمہ کر دے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: جو شخص اپنے غصہ کی لگام کو آزاد کر دیتا ہے اسکی موت جلد آتی ہے[3]

ڈاکٹر ماردن کہتا ہے: جو لوگ کمزور دل کے ہوتے ہیں۔ کیا وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ ممکن ہے غصہ ان کی زندگی کا ایک دن خاتمہ کر دے؟ ہو سکتا ہے وہ لوگ اس کا تصور نہ رکھتے ہوں لیکن ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ کبھی صحیح و سالم اشخاص بھی اپنے غصہ کی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ بارہا یہ بات دیکھی گئی ہے کہ غصہ کی وجہ سے لوگ سکتہ قلبی میں مبتلا ہو گئے اور پھر اس کا خاتمہ موت کی صورت میں ہوا ہے۔

غصہ بھوک کو ختم کر دیتا ہے۔ نظام ہضم کو خراب کر دیتا ہے۔ اور عصبی توازن کو گھنٹوں (بلکہ) دنوں تک بیکار کر دیتا ہے۔ غصہ تمام جسمانی نظام، فکری قوتوں، اور معنوی قوتوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ دودھ پلانے والی عورت کا غصہ ہو سکتا ہے اسکے دودھ کو متاثر کر کے بچہ کو مسموم بنا دے[4]

---

[1] پیروزی فکر [2] اصول کافی ج ۲ ص ۲۰۵ [3] غرر الحکم ص ۶۲۵ [4] پیروزی فکر۔

جدید تحقیقات یہ بتاتی ہیں کہ غصہ کا اثر جسم کے تمام اعضاء پر ہوتا ہے۔ دل، معدہ، دماغ، داخلی غدود، عروق وغیرہ کی حرکتوں میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ خصوصی طور سے آدرنین کی تراوش کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اس لئے کہ وہ جگر کی شکر کو آزاد کر دیتا ہے اور اعضاء کی حرکت کیلئے نئے انیدھن مہیا کرتا ہے[1]

حضرت علیؑ کا ارشاد گرامی ہے: خبردار غصہ نہ کرو کیونکہ اس کا اوّل جنون ہے اور آخر ندامت ہے۔ اسی طرح حضرتؑ ہی کا ارشاد ہے: غصہ ایک بھڑکتی ہوئی آگ ہے جس نے غصہ پی لیا اس نے اس آگ کو خاموش کر دیا اور جس نے غصہ کو نہ پیا تو اس آگ میں جلنے والا پہلا شخص وہی ہوگا[2]

غصہ کا مقابلہ کرنے کے لئے حضرت علیؑ نے حکم دیا ہے کہ صبر و بردباری سے کام لو کیونکہ غصہ کی تکلیف سے بچنے کیلئے ہم بہت شدت کے ساتھ صبر کے محتاج ہیں۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: غصہ کی آگ بھڑکنے سے اپنے کو محفوظ رکھو اور اس کا مقابلہ کرنے کیلئے حلم و بردباری کا اسلحہ مہیا کرو[3]

اسی طرح حضرتؑ ہی کا ارشاد ہے: غصہ کے وقت نفس کو کنٹرول میں کر لینا ہلاکت کے مواقع سے بچا لیتا ہے[4] بہت ممکن ہے کہ غصہ کی وجہ سے انسان کسی کو قتل کر دے۔ حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: غصہ سے زیادہ کون سی چیز خطرناک ہے (کبھی) آدمی غصہ میں آکر کسی نفس محترمہ کو قتل کر بیٹھتا ہے[5]

ڈاکٹر ماردن کہتا ہے: بعض غصہ ور لوگ ایسے ہیں کہ فیلم کی سرعت کے ساتھ ان کے دماغ میں قتل کا خیال پیدا ہو جاتا ہے اور اس قسم کی شدت و سختی اس قسم کے لوگوں کے روحی اختصاص میں سے ہے۔ ایسے لوگ "آناً فاناً" فکر قتل کرتے ہیں۔ اور اسی وقت اسکو عملی جامہ پہنا دیتے ہیں۔ ہم ایسے لوگوں کا نام "قاتل فوری" رکھتے ہیں[6]

حضرت رسولخداؐ نے زیادہ غصہ آنے کے مواقع کیلئے ایک بہت اچھی ترکیب بیان فرمائی ہے۔

---

[1] علم النفس [2] غرر الحکم ص ۷۱ [3] غرر الحکم ص ۱۳۲
[4] غرر الحکم ص ۴۶۲ [5] وافی ج ۳ ص ۱۴۸ [6] مجموعہ چہ میدانم

اگر تم میں سے کسی کو غصہ آجائے اور وہ کھڑا ہو تو فوراً بیٹھ جائے اور اگر بیٹھا ہو تو لیٹ جائے اور اگر اس سے بھی غصہ ختم نہ ہو تو پھر ٹھنڈے پانی سے سر دھولے اور یا ٹھنڈے پانی سے نہا ڈالے اس لئے کہ آگ کو صرف پانی ہی بجھا سکتا ہے [1]

ڈاکٹر وکٹوریہ پوشہ کہتا ہے: اگر کسی بچہ کو بغیر کسی وجہ سے بہت زیادہ غصہ آتا ہو تو اس کے غصہ کو ختم کرنے کیلئے اس کو ٹھنڈے پانی سے نہلا دو یا پھر اسکو نرم و گیلے کپڑے میں لپیٹ دو [2]

ڈاکٹر ژیلبرٹ روبن کہتا ہے: جسم کی نظافت کا اثر انسانی اخلاق پر بہت زیادہ ہوتا ہے روزانہ کے کام سے فارغ ہو کر ہم گرم پانی سے ہر روز صبح و شام نہانا بدن کو صاف کرتا ہے اور راحت پہونچاتا ہے اور تکلیف و سستی و بدمزاجی و عدم اشتہاء کو دور کرتا ہے۔ غصہ کو ختم کرتا ہے۔ اس لئے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ نہانے کے بدنی نتائج ارزش اخلاق کے مساوی ہیں۔

ائمہ معصومینؑ کی زندگی درحقیقت ایک چراغ ہے۔ اخلاقی فضائل کو حاصل کرنے کیلئے اسی چراغ کی روشنی میں چلنا واجب ہے۔ ان حضرات نے دشمنوں کے ساتھ کیسا سلوک و برتاؤ کیا ہے اس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ حضرات اپنے نفسوں پر کتنا کنٹرول رکھتے تھے اسی طرح ان کی زندگی کا مطالعہ کرنا ہمارے لئے بہت بڑا درس ہے اب میں بطور نمونہ چند مثالوں کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱۔ ایک دن امام حسنؑ راستہ چل رہے تھے ناگاہ ایک مرد شامی سے ملاقات ہوگئی شامی آپکو دیکھتے ہی برا بھلا کہنے لگا امامؑ خاموشی سے اس کی باتیں اور گالیاں سنتے رہے۔ جب وہ اپنی بات ختم کر چکا تو حضرتؑ نے بڑی ملائمت و متانت سے اسکو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: میرا خیال ہے آپ کو اشتباہ ہوا ہے۔ آپ مجھے اجازت دیں تو آپ کو راضی و خوشنود کر دوں آپ جو مانگیں وہ مرحمت کروں۔ اگر راستہ بھول گئے ہو تو راستہ بتا دوں۔ اگر سواری کیلئے سواری کی ضرورت ہو تو اس کا

---

[1] احیاء العلوم ج ۲ ص ۱۵۱ [2] راہ خوشبختی

انتظام کروں اور اگر سامان ڈھونے کے لئے جانور کی ضرورت ہو تو اس کا انتظام کروں بھوکے ہو تو کھانا کھلاؤں۔ اگر لباس کی ضرورت ہو تو اس کو مہیا کروں۔ اگر آپ محتاج و فقیر ہیں تو آپکو اتنا مال دیدوں جس سے آپ آرام سے زندگی بسر کر سکیں۔ اگر میری پناہ چاہتے ہوں تو آپ کو پناہ دوں آپکی جو بھی ضرورت ہو فرمائیں میں اس کا انتظام کروں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے ساتھیوں کیساتھ میرے گھر چل کر میرے مہمان ہوں کیونکہ مہمانداری کے تمام اسباب میرے یہاں مہیا ہیں!

شامی اس دلپذیر گفتگو اور ملاطفت آمیز رویہ اور غیر متوقع برتاؤ کیوجہ سے حضرتؑ کے پیروں پر گر پڑا۔ اور انتہائی ندامت کیوجہ سے اس کے رخسار پر آنسو گرنے لگے۔ اور اسی وقت نور معرفت اس کے دل پر چمکا۔ محبت و خلوص کا احساس اسکے دل میں جاگ اٹھا۔ اور اس نے بڑی خلوص نیت سے حضرتؑ کی امامت کی گواہی دیتے ہوئے کہا: ابتک میں آپ کو اور آپ کے والد ماجد کو ناپسندترین شخص شمار کرتا تھا۔ لیکن اس وقت سے سب سے زیادہ پسندیدہ شمار کرتا ہوں۔ میرا دل خلوص و محبت سے لبریز ہے۔ اور درحقیقت آپؑ کے علاوہ کوئی امامت کا مستحق نہیں ہے۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ [1]

● ● ●

---

[1] مناقب ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۱۹

(۱۳)

پیمان شکنی

① مختلف ذمہ داریاں

② عہد و پیمان کی اہمیت اور عہد شکنی کے نقصانات

③ اسلام کی طرف سے پیمان شکنی کی مخالفت

(۱)

مختلف ذمہ داریاں

انسان جس وقت سے اپنے قوت افکار کے سہارے زندگی کے مختلف مسائل حل کرنے کے لائق ہوتا ہے اور عقل و خرد کی کسوٹی پر اپنی زندگی کی مختلف ذمہ داریوں کیطرف متوجہ ہوتا ہے۔ اسی وقت سے اسکی یہ ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ زندگی کی طرف سے عائد کئے جانے والے امور کو قبول کرے اور ان تمام احکام کی پابندی کرے جو انسان کی سعادت مندی اور تکامل سے وابستہ ہوتے ہیں اور یہ بھی اس کیلئے ضروری ہو جاتا ہے کہ جسم و روح سے متعلق حقیقی نیازمندی کی طرف متوجہ رہے۔

تمام مادی و معنوی امور کا قبول کرنا واجب ہے عقل و وجدان اس ضرورت کو نہ صرف یہ کہ لازم قرار دیتے ہیں بلکہ انسان کو اس پر مجبور کرتے ہیں کہ مضبوطی کے ساتھ اس کو بجالائے کیونکہ انھیں امور کی وجہ سے معاشرہ کی رونق وابستہ ہوتی ہے۔ اور عقل و وجدان تمام ان چیزوں کی مذمت کرتے ہیں۔ جو نظامِ زندگی کی بے اعتدالی اور انسان کے سقوط کا سبب بن جاتی ہیں۔ فضائل معنوی و اخلاقی کی طرف توجہ دینا ہمیشہ مؤثر رہا ہے اور ایسا کرنا انسان کو حقیقی آزادی تک پہونچانے کا ہمیشہ ذریعہ رہا ہے اور اسکی رفتار زندگی صحیح نظام پر چلنے کے لئے سہارا دیتا ہے۔ یہ ذمہ داریاں مختلف صورتوں میں انسان کی پوری زندگی پر پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور مرتے دم تک پیچھا نہیں چھوڑتیں اور انسان اسی وقت مورد مؤاخذہ ہو سکتا ہے جب اسمیں ذمہ داری کے بار کو برداشت کرنیکی صلاحیت ہو جائے اسی لئے بچے اور دیوانے ان ذمہ داریوں سے

مستثنیٰ ہوتے ہیں۔

اپنی ذمہ داریوں کو نہ نبھانا اور اس کی سرحدوں سے آگے بڑھ جانا زندگی کے اصول سے بے خبری کی دلیل ہے اور آئندہ بدبختی و سقوط کا سبب ہے اگر ہم اپنی ذمہ داریوں کو بھول جائیں اور معاشرہ کے ضروری اصول کو توڑ کر شخصی آزادی کے قائل ہو جائیں اور اپنے کو بالکلیہ آزاد سمجھنے لگیں۔ تو اس سے بڑھ کر اور کوئی غلطی ہو ہی نہیں سکتی حس مسئولیت کا فقدان ایک ایسا نقصان دہ امر ہے۔ جو ممکن ہے پورے معاشرے کو برباد کر دے اور معاشرے میں ایسی رخنہ اندازی پیدا کر دے جس کا جبران ناممکن ہو جائے۔ خواہشات کی تکمیل کے لئے وظائف و ذمہ داریوں کو قربان کر دینا سخت ترین جرم ہے۔ جو لوگ خواہشات کے اسیر ہیں اور شخصی منافع اور آرزوؤں کی تکمیل کو اصل وظیفہ و ذمہ داری پر مقدم کرتے ہیں اور اپنی ہوس کی تکمیل کو اولویت دیتے ہیں۔ وہ ہمیشہ روبہ تنزل رہتے ہیں وہ لوگ کبھی انسان کامل کی صورت میں نمودار نہیں ہو سکتے۔

ڈاکٹر کارل کہتے ہیں بے لگام انسان اس عقاب کی طرح کبھی نہیں ہو سکتا جو آسمان کی بیکراں وسعتوں میں پرواز کرتا ہے۔ بلکہ اس کی مثال اس کتے سے بہت زیادہ مشابہ ہے جو اپنے گھر سے بھاگا ہے اور گاڑیوں کے شور و غل میں ادھر اُدھر بھاگا پھرتا ہے۔ بیشک بے لگام انسان بھی اسی کتے کے مانند ہے جو اپنی مرضی کے مطابق کام کرتا ہے اور جہاں چاہتا ہے جاتا ہے لیکن بہرحال گم گشتۂ منزل ہے کیونکہ اسکو نہیں معلوم کہاں جائے اور خطرات سے اپنے کو کس طرح بچائے۔

ہم سب کو معلوم ہے کہ فطرت کے بھی کچھ قوانین ہیں اسلئے ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کو انھیں اصول و قوانین کے ساتھ گزاریں۔ لیکن ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ گویا فطرت کے قوانین ہم پر لاگو ہی نہیں ہیں۔ اور ہم بالکل آزاد ہیں اپنی مرضی کے مطابق جو چاہیں کریں۔ ہم کو اس کا احساس بھی نہیں ہے کہ زندگی کو چلانا گاڑی چلانے سے زیادہ اگر مشکل نہیں ہے تو کم بھی نہیں ہے۔ آخر گاڑی چلانے کے لئے بھی تو کچھ کم قوانین نہیں ہیں۔ ہم نے تو گویا یہ سمجھ لیا ہے کہ انسان کی

حقیقی زندگی صرف کھانا، پینا، سونا، شہوت پرستی کرنا، بہترین کار کا مالک ہونا، ریڈیو، ٹیلیویژن، سنیما گانا بجانا، ثروت و دولت کے حصول کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ دیکھتے ہوں گے۔ کہ لوگوں نے زندگی کا ماحصل سگریٹ کے دھوئیں اڑانے اور کاہلی و دن رات یک گونہ بیخودی میں ہونے ہی میں منحصر سمجھا ہے۔

معاشرے کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز نظم و ضبط ہے اور اس نظم و ضبط کا کچھ اصول و قوانین کی پابندی کئے بغیر حاصل ہونا محال ہے۔ جو لوگ اپنی ذاتی قوتوں و شخصی ہمت پر بھروسہ کر کے، عقل و منطق کی روشنی میں زندگی کی حقیقتوں کو دیکھتے ہیں۔ اور مختلف ذمہ داریوں کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہیں وہ لوگ زندگی کی ذمہ داریوں کو صداقت و راستی کے اصولوں پر منطبق کر کے آسودہ خاطر ہو کر ان ذمہ داریوں کا استقبال کرتے ہیں اور اگر اس میں ناکام بھی ہو گئے تب بھی اپنے کو سرافراز سمجھتے ہیں کہ یہ شکست ذمہ داریوں کے نباہنے ہی کی صورت میں پیش آئی ہے اور وہی لوگ درحقیقت کامیاب ہیں۔

نیک بختی اور سعادت کو حقیقی مسرتوں میں ڈھونڈھنا چاہئے اور روح کیلئے آسائش و آرام مہیا کرنا چاہئے اور یہ چیزیں صرف انھیں کو نصیب ہوتی ہیں جو وجدان و عقل کی آواز پر لبیک کہتے ہیں۔ باطنی مسرت صرف اپنی ذمہ داریوں پر عمل کر کے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

● ● ●

(۲)

عہد و پیمان کی اہمیت اور عہد شکنی کے نقصانات

انسانی زندگی میں ایک سب سے بڑی ذمہ داری عہد و پیمان کی نگہداری ہے جس کو انسان شخصی طور پر قبول کرتا ہے۔ انسان کسی بھی مذہب و ملت کا پابند ہو عہد شکنی کو برا اور ایفائے عہد کو اچھا سمجھتا ہے۔ ایفائے عہد انسان کا وہ فطری سرمایہ ہے جو صحیح تربیت کے بعد قوت سے فعل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور انسان کی سعادت و خوش بختی کی ضمانت دیتا ہے بچپنے سے ہر شخص کے ضمیر میں جس چیز کی بنیاد ڈالی جاتی ہے اسی پر اس بچہ کے مستقبل کا انحصار ہوتا ہے۔ اسی لئے یہ بہت ضروری امر ہے کہ بچے کی صحیح تربیت پر توجہ دی جائے کیونکہ یہی چیز اس کے شخصی اخلاق کے پایوں کو مضبوط کرتی ہے۔ اور اس کا مستقبل گرانقدر و نتیجہ بخش ہوتا ہے اور وہ ان تمام چیزوں سے محفوظ رہتا ہے۔ جو فطرت کی بنیاد کو خراب کرنے والی ہوتی ہیں۔

دو آدمیوں کے درمیان جو بھی قول و قرار ہو وہ اخلاقاً قابل احترام و قابل قدر ہے اور اس کی پابندی ضروری ہے۔ چاہے وہ قانونی حدود سے باہر بھی ہو اور عہد شکنی درحقیقت قید شرافت سے جدائی ہے اور طرفین کی مرضی کے بغیر عہد شکنی جوانمردی کے خلاف ہے بقول ایک بزرگ: عہد شکنی آئین جوانمردی سے فرسخوں دور ہے۔

جو شخص بھی صراطِ مستقیم سے ہٹ کر بہت ہی آسانی سے اپنے ہی معاہدہ کو توڑ دیتا ہے وہ اپنے اس اخلاقی گراوٹ کی بنا پر دوسروں کے دلوں میں رنجش کا بیج بوتا ہے۔ ایسا شخص ہمیشہ شرمندہ رہتا ہے۔ اور اپنے اس اخلاقی جرم پر پردہ ڈالنے کیلئے متضاد باتیں کرنے پر مجبور ہوتا ہے لیکن اس کے نتیجہ میں نفاق و ناراستی کے علاوہ کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ـــــ معاشرہ میں سب سے زیادہ رخنہ اندازی اور پراگندگی کا سبب عہد شکنی ہے۔ اور اسی سے معاشرہ کمزور ہو جاتا ہے۔ اور لوگوں کے درمیان غیر مرئی رشتۂ محبت کمزور ہو جاتا ہے یہ بات اپنی جگہ پر صد در صد صحیح ہے کہ جس معاشرہ میں پراگندگی اور بے اعتمادی ہوگی وہاں تعادل زندگی مفقود ہوگا۔ اور بڑے بڑے دوستوں کا آپسی اعتماد اٹھ جائے گا۔ ہمارے آج کے معاشرے میں

جو مختلف صورتوں سے اخلاقی گراوٹ پیدا ہوگئی ہے عہد شکنی و فریب کاری کا جو بازار گرم ہے ظاہرداری جو عمومی اخلاق میں بُری طرح پھیل گئی ہے یہ سب انھیں بداخلاقیوں کی وجہ سے ہے

آج کے معاشرے میں ایسے افراد بکثرت موجود ہیں۔ جو اپنے وعدوں کی پابندی کے تو خیر قائل ہی نہیں۔ بلکہ اپنی فریب کاری کو ہنر سمجھتے ہیں۔ اور اپنی ترقی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اور یہی نہیں بلکہ دوسروں کے سامنے بڑے فخر سے اپنے اس ہنر کو پیش کر کے اکڑتے ہیں۔

عہد کی پابندی معاشرے کے لئے ایک اہم عامل ہے اور معاشرے کی سعادت کا راز اسی میں پوشیدہ ہے اور یہ چیز لوگوں کے تمام شعبہ ہائے زندگی میں مؤثر ہے مختصر یہ ہیکہ عہد کی پابندی ترقی و پیشرفت کا یقینی مقدمہ ہے۔

حجاج بن یوسف کے زمانہ میں خوارج کے ایک گروہ کو گرفتار کیا گیا اور ان کو حجاج کے سامنے پیش کیا گیا۔ حجاج نے ہر ایک کے حالات کی تحقیق کر کے اس کے کرتوت کے مطابق الگ الگ سزا کا حکم سنا دیا۔ جب آخری فرد کی نوبت آئی تو اتفاقاً اذان ہونے لگی حجاج نے اس آخری فرد کو حاضرین مجلس میں ایک کے حوالہ کر کے کہا: آج رات کو اسے اپنے پاس رکھو۔ کل اس کو دربار میں حاضر کرنا۔ یہ کہہ کر حجاج نماز کیلئے چلا گیا۔ وہ شخص اس مجرم کو لیکر حجاج کے محل سے نکل کر اپنے گھر کی طرف چلا۔ راستہ میں مجرم نے اس شخص سے کہا: میں خارجی نہیں ہوں۔ مجھ پر اتہام لگایا گیا ہے۔ میں اپنے خدا کی رحمت کا مکمل طور سے امیدوار ہوں مجھے بے جرم و خطا پھنسایا گیا ہے۔ اس وقت میری آپ سے اتنی خواہش ہے کہ مجھے اتنی مہلت دیدیں کہ میں آج رات اپنے بال بچوں میں گزار لوں ان کو نصیحت و وصیت کر دوں۔ کل صبح آپ کے پاس حاضر ہو جاؤں گا وہ شخص خاموش رہا۔ لیکن ملزم کے شدید اصرار پر تیار ہو گیا اور اس کو آزاد کر دیا۔ لیکن وہ محافظ تھوڑی ہی دیر میں مضطرب و پریشان ہو گیا کہ اگر وہ نہ آیا۔؟ اور بہت غور و فکر کرنے کے بعد پشیمان ہوا کہ اب کیا کروں ؟ حجاج کو کیا جواب دونگا۔؟ اب میں حجاج کے قہر و غضب سے بچ

نہیں سکتا۔ ساری رات اسی ادھیڑبن میں پڑا رہا کروٹیں بدلتا رہا یہاں تک کہ خدا خدا کر کے صبح نمودار ہوئی۔ اور جیسے ہی وعدہ کا وقت ہوا اسنے دیکھا مجرم دروازے پر موجود ہے اس کو دیکھ کر اس شخص کو بہت تعجب ہوا۔ اور بڑے تعجب سے پوچھا، ارے تم اپنے وقت پر آگئے؟ اس نے کہا جو شخص خدا کی عظمت و قدرت کو پہچانتا ہوگا اور اپنے عہد و پیمان پر خود کو گواہ بنایا ہوگا وہ ہر حالت میں اپنے عہد کو پورا کریگا۔

محافظ قیدی کو لیکر حجاج کے دربار میں پہونچا اور پورا واقعہ گوش گزار کیا۔ حجاج اپنی شقاوت و سنگدلی کے باوجود اس شخص سے متاثر ہوگیا۔ اور طے کرلیا کہ اس کو آزاد کردونگا۔ اس کے بعد محافظ سے مخاطب ہو کر بولا: کیا تم چاہتے ہو کہ اس کو آزاد کردوں؟ اور اس قیدی کو تم کو بخش دوں؟ محافظ نے کہا اگر آپ ایسا کریں گے تو میرے اوپر احسان کریں گے۔ حجاج نے اس اسیر کو محافظ کے حوالہ کردیا اور محافظ اسکو لے کر محل سے باہر آیا۔ اور آزاد کردیا۔ آپ نے دیکھا ایفائے عہد کا کیا اثر ہوا؟

تھوڑی دیر کے لئے فرض کیجئے کوئی کمپنی اپنے معاہدوں کا لحاظ نہ رکھے اور قراردادوں کو بے بنیاد سمجھ کر لوگوں کے آرڈروں کی تعمیل میں کوتاہی سے کام لے تو اس کا کیا حشر ہوگا؟ تھوڑے ہی دنوں میں اس کمپنی کی ساکھ بگڑ جائیگی اور وہ بہت ہی کم مدت میں دیوالیہ ہو جائے گی۔

دنیا کی کوئی چیز عمومی اطمینان و بھروسہ کے برابر معاشرہ کو ثبات و استقرار نہیں بخشتی۔ اگر لوگوں کا ایک دوسرے سے رابطہ باہمی اطمینان پر استوار ہو جائے اور روح اعتماد ــــ جو ایک خوشبخت زندگی کی ضامن ہے ــــ عام ہو جائے اور ہر شخص اپنے قول اور اپنی تحریر کو قانونی اہمیت و قدر و قیمت کا حامل سمجھنے لگے اور زندگی کے ہر گوشہ میں ہر شخص عہد و پیمان کی پابندی کرنے لگے اور اس کو واجب العمل سمجھنے لگے "مثلاً بیچنے والا بیچے ہوئے سامان کو بروقت خریدار کے سپرد کردے مقروض اپنے وعدہ پر قرض ادا کردے تو آپ یقین کیجئے بہت سے جھگڑے خود بخود ختم ہو جائینگے" تو انسانی سطحِ زندگی عروج و کمال پر پہونچ جائے گی۔

معاہدوں کے اندر سب سے پہلی اور اہم شرط یہ ہے کہ انسان شروع ہی میں یہ سوچ لے کہ

میں اس شرط کو پورا کر سکتا ہوں کہ نہیں ؟ یہ بات میرے امکان میں ہے کہ نہیں ؟ تو اگر وہ یہ سمجھ لے کہ میرے لئے اس شرط کو عملی جامہ پہنانا ممکن ہی نہیں ہے۔ اور یہ میرے اختیار سے باہر کی چیز ہے تو اس کو قبول نہ کرے۔ اگر کوئی شخص اپنی واقعی مجبوری کی بنا پر بھی قرار داد کے موافق عمل نہ کر پائے جب بھی لوگ اس کی سرزنش کرتے ہیں اور اس پر اعتراض کرتے ہیں۔

• • •

(۳)

اسلام کی طرف سے پیمان شکنی کی مخالفت

انسان اپنی زندگی میں واقعی انسان بننے کے لئے عاقلانہ رفتار کا محتاج ہے سب سے پہلی چیز تو یہی ہے کہ انسانی گروہ آپس میں ہم بستگی اور یک رنگی رکھتے ہوں۔ اور یگانگت پیدا ہونے کے لئے ہر شخص کا راستی و درستگی کے اصول پر عمل کرنا ضروری ہے اور تمام ان چیزوں سے پرہیز ضروری ہے جن کی بنا پر آپس میں اختلاف و پھوٹ پڑتی ہو۔ اور جب معاشرے کے اندر فضیلت اخلاقی اور ایمانی قوت کی بنا پر معاہدوں کی پابندی پیدا ہو جائیگی اسی وقت سے معاشرہ میں استحکام و سربلندی پیدا ہو جائے گی۔

اسلام کی نظر میں عہد شکنی اتنی مذموم ہے کہ اس نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا ہے کہ ناپاک و آلودہ لوگوں سے بھی تم نے جو عہد و پیمان کیا ہے اس کو پورا کرو۔ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: تین چیزوں کے توڑنے کی اجازت خدا نے کسی کو بھی نہیں دی (۱) جس کی امانت ہے اسکو

پہنچاؤ خواہ وہ نیک ہو یا فاسق و فاجر (۲) عہد و پیمان کی پابندی کرو چاہے وہ عہد و پیمان نیکوکار لوگوں سے کیا ہو یا فاسق و فاجر سے (۳) والدین کے ساتھ احسان کرو چاہے وہ اچھے ہوں یا بُرے۔

قرآن مجید با ایمان لوگوں کی صفتوں کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: (سچے مومن تو وہی لوگ ہیں) جو اپنی امانتوں اور عہد کا لحاظ رکھتے ہیں [1] دوسری جگہ قرآن حکم دیتا ہے: اور عہد کو پورا کرو کیونکہ (قیامت میں) عہد کی ضرور پوچھ گچھ ہو گی [2]

رسول اکرمؐ نے عہد شکنی کو نفاق کی علامت قرار دیا ہے فرماتے ہیں: جس شخص میں چار خصلتیں ہوں وہ منافق ہے اور اگر ان چاروں میں سے کسی کے اندر ایک صفت ہے تو اس شخص میں نفاق کی ایک صفت ہے۔ اور جب تک انسان ان صفتوں کو چھوڑ نہ دے منافق ہے وہ چار صفتیں یہ ہیں۔ (۱) جب بھی گفتگو کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے۔ (۲) جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔ (۳) جب کسی سے عہد و پیمان کرتا ہے تو اس کو توڑ دیتا ہے (۴) اور جب دشمنی کرتا ہے تو غلط باتیں منسوب کرتا ہے [3]

حضرت علیؑ نے مالک اشتر کو جو دستور دیئے ہیں ان میں یہ بھی فرمایا ہے: تم جو نیکی کرو خبردار اس سلسلہ میں رعایا پر احسان نہ جتاؤ۔ جن کاموں کو انجام دو ان کو بہت اہم مت سمجھو۔ خبردار لوگوں سے جو وعدہ کرو اس کو پورا کرو کیونکہ احسان جتانا احسان کو باطل کر دیتا ہے اور اپنے کام کی اہمیت جتانا نور حقیقت کو ختم کر دیتا ہے۔ پیمان شکنی خدا اور لوگوں کی ناراضگی کا سبب ہوتی ہے۔ ارشاد پروردگار عالم ہے خدا کے نزدیک یہ بڑے غضب کی بات ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرو نہیں! معصومؑ کا ارشاد ہے: وفا اور صداقت توام ہیں۔ میں نے ایفائے عہد سے زیادہ بچانے والی کوئی سپر نہیں دیکھی [4]

---

[1] س ۲۳ (مومنون) آیت ۸۔ [2] سورہ ۱۶ بنی اسرائیل (یا اسرائیل) آیت ۳۴

[3] بحار الانوار ج ۱۵ ص ۲۴۲ [4] غرر الحکم ص ۲۲۸

اسلام نے بچّوں کی تربیت پر بہت زیادہ توجہ دی ہے اور بہت ہی جامع اور مضبوط احکام کے ذریعہ والدین کے اس سلسلہ میں فرائض کو واضح کر دیا ہے اگر والدین خود ہی مبادئ اخلاق اور اپنے بچّوں سے کئے ہوئے وعدوں کو پورا نہیں کریں گے تو اپنے بچّوں کو اخلاقی فضائل سے سنوار نہیں سکتے۔ کیونکہ عملی تربیت قولی تربیت سے بہت زیادہ مؤثر ہے۔ رسولخداؐ نے بچّوں سے وعدہ کرکے اس کو پورا نہ کرنے کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں: انسان کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ بچّوں سے وعدہ کرکے وفا نہ کرے [1]

ڈاکٹر آلندی کہتا ہے: ایک سولہ (۱۶) سالہ بچّے کو جو روز بروز چوری کرنے کا عادی ہوتا جا رہا تھا میرے پاس علاج کے لئے لایا گیا۔ یہ بچّہ جب سات آٹھ سال کا تھا تو اسکے باپ نے اسکو مجبور کیا تھا کہ تم اپنے کھلونوں میں سے ایک کھلونا مالک کی لڑکی کو دیدو۔ میں تمہارے لئے اسکے بدلہ میں دوسرا کھلونا خرید دونگا۔ اس بچّے نے مہینوں کوشش کرکے اور اپنی ساری توانائیوں کو صرف کرکے بڑی مشکل سے اس کھلونے کو حاصل کیا تھا۔ اتفاق یہ ہوا کہ بچّہ کا باپ اپنے وعدہ کو بھول گیا اور بچّہ کیلئے کھلونا نہیں خرید سکا۔ اور بچّہ دل شکستہ اور مایوس ہوگیا تو اس نے اپنی ماں کی الماری سے کچھ رقم چرالی۔ جس دن اس بچّہ کو میرے پاس لایا گیا تھا۔ اس دن بھی ایک دروازے کے شیشہ کو توڑ کر اس نے چوری کی تھی۔ اس بچّہ کا راہ راست پر لانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اور میں اس سلسلہ میں کامیاب بھی ہوگیا۔ کیونکہ والدین کی غلطی کیوجہ سے یہ بچہ اس حالت کو پہونچا تھا۔ اور اگر یہی سلسلہ باقی رہتا تو یہ بچّہ مستقبل میں دلیر و بہادر بننے کے بجائے ایک خطرناک انسان بن جاتا [2]

حضرت علیؑ دوستوں کے ساتھ طرز سلوک کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اگر کسی کو اپنا دوست بناؤ تو اپنے کو اس کا غلام بنادو۔ اور اس سے وفا کرو [3] اسی شخص سے دوستی کرنی چاہئے جسمیں انسانی فضائل اور برجستہ صفات موجود ہوں۔ اور اس کیساتھ رہ کر اپنے کو جلا و عظمت مل سکے۔

---

[1] نہج البلاغہ ص ۲۰۱۔ [2] کتاب مادر فرزندان ما [3] غرر الحکم ص ۳۲۳۔

حضرت رسولؐ خدا فرماتے ہیں: سب سے نیکبخت انسان وہ ہے جو شریف النفس لوگوں سے معاشرت رکھے جو شخص لوگوں سے معاشرت کرنے میں دوسروں پر ظلم نہ کرے اور بات کرنے میں جھوٹ نہ بولے. اور وعدہ خلافی نہ کرے. وہی وہ شخص ہے جس کی مروت کامل ہے اور اسکی عدالت ظاہر ہے. اور اسکی رفاقت واجب ہے۔

ڈاکٹر ساموئیل اسمایلز کہتا ہے: اگر تم بلند روح اور بلند اخلاق والے لوگوں سے معاشرت رکھو گے تو تم کو احساس ہوگا۔ کہ ان کی روحانیت اور ان کا اخلاق تم کو بلندی کی طرف کھینچ رہا ہے جو لوگ ہم سے زیادہ فاضل ہم سے زیادہ عاقل ہم سے زیادہ تجربہ کار ہیں ان کی دوستی بڑی قیمتی ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کیساتھ رہنا انسان میں نئی روح پھونکتا ہے. اور ہم کو زندگی کے راہ و رسم سے آگاہی ہوتی ہے اگر یہ لوگ قوی ہوں گے تو ان کے ساتھ نشست و برخاست سے ہم بھی قوی ہو جائیں گے. اور ان کی قدرت معنوی سے فائدہ اٹھائیں گے. کیونکہ ان کے ساتھ نشست و برخاست ہماری معنوی قوتوں کو بھی بلند کر دیگی۔ اور دنیا کے اندر ہمارے مقاصد کو اعلیٰ بنا دے گی اور ہم کو اپنی زندگی بسر کرنے کے طریقے اور دوسروں کی مدد کرنے کے انداز سکھائیگی. نیک لوگوں سے معاشرت ہمیشہ اچھائی اور خوبیوں کو جنم دیتی ہے. اس لئے کہ اچھے اخلاق کی مثال اس نور کی سی ہے جو اپنے اطراف کو روشن کر دیتا ہے [1]

مذکورۂ بالا مطالب پر توجہ دینے سے ہر شخص کا وظیفہ و فریضہ معیّن و مشخص ہو سکتا ہے۔

● ● ●

---

[1] اخلاق

(۱۴)

خیانت

① عام فرائض و باہمی اعتماد

② خیانت اور اس کے خطرات

③ اسلام کی نظر میں خیانت

(۱)

عام فرائض و باہمی اعتماد

ایک مضبوط و سالم معاشرہ کے لئے بنیادی طور پر باہمی اعتماد کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اسی لئے صرف اسی معاشرہ کو خوشبخت و سعادت مند سمجھنا چاہئے جس کے افراد کے درمیان مکمل رشتۂ اتحاد و اطمینان پایا جاتا ہو۔ لیکن اگر معاشرہ کے افراد اپنے عمومی فرائض کی سرحدوں کو پار کریں۔ اور دوسروں کے حقوق کے ساتھ خیانت کرنے لگیں تو پھر وہیں سے معاشرے کی تنزلی کی ابتدا ہونے لگتی ہے۔

انسان کے تمام شعبۂ حیات میں کچھ مختلف قسم کے فرائض بہرحال ہوتے ہیں۔ جس میں ہر شخص کا حصہ ہوتا ہے! اور عقل، فطرت، دین ہر شخص کے لئے حکم لگاتا ہے کہ وہ اپنے حصہ کی ذمہ داری کو پورا کرے تاکہ ان کی زندگی کے آسمان پر اطمینان و بھروسہ کے انوار چمکنے لگیں۔ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ ان تمام ذمہ داریوں کو انسانی زندگی کی لغت سے حذف کر دے اور یا خدا کی طرف سے یا معاشرہ کی طرف سے عائد پابندیوں سے چشم پوشی کر کے ان کو بے قیمت سمجھنے لگے۔ اس لئے کہ انسان کو — اپنی فطرت کے مطابق — اپنی آپسی زندگی اور معاشرے کے درمیان عدم اعتماد باہمی کو فروغ دینے کا حق نہیں ہے اور اسی باہمی اعتماد کی بنا پر انسان کے لئے معاشرے کی طرف سے کچھ اصول و قوانین بنائے جاتے ہیں۔ جنکی پابندی بہرحال ضروری ہوتی ہے تاکہ آپسی تعاون اور دوسروں کی مدد سے زندگی کی مشکلات پر قابو پایا جا سکے۔ اگرچہ اپنی ذمہ داریوں کو نبھانا بہت ہی دشوار اور فداکاری کا محتاج و مشکلات سے بھرپور ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر انسان ہمیشہ یہ چاہتا

ہے کہ کسی مشقت کو برداشت کئے بغیر راحت و آسائش حاصل کرلے۔ لیکن مشکلات کو برداشت کئے بغیر نیک بختی کا حصول ناممکن ہے۔ اسی لئے بزرگوں نے کہا ہے: خوش بختی ذمہ داریوں کو نباہنے کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ویسے یہ ممکن ہے کہ دوسروں کی ذمہ داریوں کی تکمیل میں فرد کا بھی حصہ ہو۔ کیونکہ اگر فرد اپنی شخصی ذمہ داریوں کو پورا نہ کرے تو لوگوں کے ذہن پر اس کا اچھا اثر نہ ہوگا۔ اور یہ بات دوسروں کے سلوک و برتاؤ و افعال میں اثر انداز ہوگی۔

شخصی سعادت سے کہیں زیادہ ضروری اجتماعی سعادت ہوتی ہے بلکہ اجتماعی سعادت ہی افراد کی سعادت کی بنیاد ہوا کرتی ہے۔ معاشرے کے حقوق کو پورا نہ کرنا اجتماعی روح عدالت کے منافی ہے اور یہ چیز عمومی نظم و نسق میں رخنہ انداز ہوتی ہے۔ زندگی، آزادی، دوسروں کی حیثیت کو ملحوظ رکھنا یہ ساری چیزیں ہر فرد کی شخصی ذمہ داری ہوتی ہے جو حضرات اپنی ذمہ داریوں کی تکمیل کرتے ہیں اور معاشرے کے حقوق کو اچھی طرح ادا کرتے ہیں۔ وہ علاوہ اس کے کہ عموماً مورد اعتماد مردم ہوتے ہیں۔ اور زندگی کی دوڑ میں ہمیشہ کامیابی سے ہم آغوش رہتے ہیں۔ وہ دوسروں کی بھی خوشبختی کا سبب اور ان کی کامیابی میں معین و مددگار ہوتے ہیں۔

ساموئیل اسمائلز کہتا ہے: ذمہ داری ہر شخص کیلئے ایک قرض کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو شخص بے اعتباری کی ننگ سے اور اخلاقی دیوالیہ پن سے محفوظ رہنا چاہتا ہے۔ اس کیلئے ضروری ہیکہ اپنے قرض کو ادا کردے۔ لیکن شعبۂ ہائے حیات میں سعی مسلسل اور کوشش بسیار کے بغیر اس قرض کی ادائیگی ممکن نہیں ہے اپنی ذمہ داریوں کو اس دنیا میں آنے کے دن سے جانے تک پورا کرنا انسان کا بہت ہی عمدہ مشغلہ ہے۔ اب جس شخص میں جتنی طاقت و قدرت ہوگی وہ اسی اعتبار سے اپنے وظیفہ کو پورا کرے گا۔ کیونکہ اس دنیا کے اندر انسان کی مثال اس مزدور کی طرح ہے جس کی ڈیوٹی یہ ہو کہ وہ اپنے اور اپنے دیگر ابنائے نوع کیلئے کوشش کرے۔ اور اس ذمہ داری کا احساس حبِ عدالت کی بنیاد پر موقوف ہے۔ یہ صرف مذہبی تصور ہی نہیں ہے۔ بلکہ حیاتِ انسانی کا بنیادی قاعدہ ہے۔

ذمہ داری کا احساس دنیا کی قوموں کیلئے بزرگترین نعمت ہے جس قوم کے افراد میں یہ شریف روح ہوگی اس کے شاندار مستقبل کی پہلے ہی سے پیشین گوئی کیجا سکتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس جس قوم کے اندر ذمہ داری کے بجائے عیاشی، خود پرستی، نفع پرستی رائج ہوجائے تو اس قوم کی حالت زار پر رونا چاہئیے۔ کیونکہ پھر اس قوم کے فنا ہوجانے میں ــــ خواہ دیر سے ہو یا جلدی سے ہو ــــ کوئی کسر باقی نہیں رہتی۔

(۲)

خیانت اور اس کے خطرات

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے آج کے معاشرہ میں جو فساد و انحراف پایا جاتا ہے اس کی مختلف علتیں ہیں۔ لیکن جب ہم ان علل و اسباب کو تلاش کرتے ہیں جن کی وجہ سے یہ معنوی افلاس، اخلاقی پستی، روحانی کمزوری ہمارے معاشرہ میں پیدا ہوئی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس درماندگی اور بدبختی کی سب سے بڑی علت لوگوں کے افکار و عقول پر اور تمام شعبہ ہائے حیات پر "خیانت" کا غالب ہوجانا ہے۔ معاشرے کے اندر خیانت کی عمومیت اور بتدریج معاشرے کی معنویت کو ختم کردینے والا خطرہ تمام خطروں سے زیادہ ہے۔ خیانت آئینۂ روح کو تاریک بناکر افکار انسانی کو گمراہی کے راستہ پر ڈال دیتی ہے۔

شہوت پرستی کی زیادتی کی بنا پر یہ منحوس صفت انسان کے اندر جڑ پکڑتی ہے اور اس صفت کی وجہ سے انسان بجائے اس کے کہ اپنی ایمانی طاقت و عقلی قدرت سے استفادہ کرتا یہ شیطانی صفت

اس کو ذلت و پستی کے قبول کر لینے پر آمادہ کر دیتی ہے۔

ہر انسان اپنے ماحول میں تمام چیزوں سے زیادہ دوسروں کا اعتماد حاصل کرنے کا محتاج ہے یہ بہت ممکن ہے کہ ایک تاجر یا صنعت پیشہ انسان اپنی خیانت سے کافی دولت کما لے اور ایک مدت تک اس کی پردہ پوشی میں کامیاب بھی ہو جائے لیکن ایک نہ ایک دن اس کا پردہ فاش ہو کے رہتا ہے اور وہ اپنا عظیم ترین سرمایہ (اعتبار) کھو بیٹھتا ہے اور اپنی پوزیشن خراب کر لیتا ہے۔

خائن ہمیشہ مضطرب و پریشان رہتا ہے اور ہر چیز کے سلسلہ میں بدبین ہے اور اگر اسکی علت جاننا چاہتا ہے تو پھر اس کو اپنے نفس ہی سے سوال کرنا ہوگا۔ کیونکہ اگر آپ غور کریں گے تو پتہ چلے گا کہ وہ اپنی اسی صفت سے فریادی ہے۔

یہ بات بدیہی ہے کہ عمومی رفاہیت اور فکری سکون صرف امن عامہ ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور آجکل لوگوں کے اندر جو قلق و اضطراب اور فقدان امن عامہ کا عمومی وجود ہے اس کی علت صرف معاشرے کے اندر خیانت کا پھوٹ پڑنا ہے اور فرشتۂ عدالت کو گولی مار دینا ہے اور اس قوم کا بیڑہ غرق کر دینا ہے۔ یاد رکھئے جہاں امن نہیں ہے وہاں آزادی نہیں ہے۔ برادری نہیں ہے، انسانیت نہیں ہے اور ہاں خیانت چند امور ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ یہ تمام افعال انسانی پر شامل ہے اگر آپ کسی قول یا فعل کے بارے میں تحقیق و تفتیش کریں گے تو اس کے حدود بہت واضح و معیّن پائیں گے بس انسان جہاں ان حدود سے آگے بڑھا اس نے امن عامہ کی سرحد کو پار کر لیا۔ اور خیانت و باطل کے راستہ میں داخل ہو گیا۔

ایک بزرگ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: بیٹا تم فقیر و خالی ہاتھ ہو اور دوسروں کو فریب و مکاری و خیانت سے مالدار ہوتے ہوئے دیکھتے رہو۔ تم بغیر جاہ و مرتبہ کے زندگی بسر کرو۔ ان لوگوں کو عالی مناصب و بلند مرتبہ پر الحاح و چاپلوسی سے فائز ہوتے ہوئے دیکھتے رہو تم درد و غم و ناکامی کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ اور دوسروں کو تملق و چاپلوسی کے ساتھ اپنے مقاصد

میں کامیاب دیکھتے رہو۔ تم متکبرین کی صحبت سے اجتناب کرو۔ اور لوگوں کو دیکھتے رہو کہ وہ ایسے لوگوں کے تقرب کے لئے اپنی جان دینے کیلئے تیار ہیں۔ تم لباس تقویٰ و فضائل کو پہنو اب اگر بڑھاپے تک تمہارا دامن داغدار نہ ہوا تو بڑی خوشی سے اپنے کو موت کے حوالہ کر دو۔

جوانمردوں کی امانت داری ہی ان کی پونجی ہے امین آدمی پر ہر شخص اطمینان کرتا ہے اور اسکی زندگی بہت ہی درخشاں گزرتی ہے اور امین آدمی ہر اعتبار سے امانت کا لحاظ کرتا ہے اور اس کے اعمال اس کے گہرے تجربوں کا نچوڑ ہوتے ہیں۔ اور انھیں تجربوں کی روشنی میں وہ زندگی بسر کرتا ہے۔

• • •

(۳)
اسلام کی نظر میں خیانت

پروردگار عالم نے جو قوانین و اصول اپنے بندوں کے لئے وضع فرمائے ہیں۔ ان کو لفظ امانت سے یاد کیا ہے اور متعدد مقامات پر خیانت سے بہت سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: (۱) خدا اور رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو۔ اور نہ امانتوں میں خیانت کرو[۱]

(۲) خدا کا حکم ہے کہ امانت صاحب امانت کے حوالہ کر دو۔ [۲]

۱۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: سب سے بڑی خیانت مہربان دوست سے خیانت کرنا اور عہد و پیمان کو توڑنا ہے[۳]۔ ۲۔ حضرتؑ فرماتے ہیں: سب سے برا وہ شخص ہے جو امانت داری پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ اور خیانت سے پرہیز نہ کرتا ہو[۴]

---

[۱] انفال آیہ ۲۷۔ [۲] نساء آیہ ۵۸، [۳] غرر الحکم ص ۵۰۵ [۴] غرر الحکم ص ۴۴۶

۳۔ خیانت سے بچو کیونکہ وہ گناہ کبیرہ ہے اور خائن اپنی خیانت کیوجہ سے ہمیشہ آتش جہنم میں جلتا رہے گا۔ [1] امام جعفر صادقؑ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا: میں تم کو دو باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ (۱) راست گوئی (۲) اچھے و بُرے (ہر شخص) کی امانت کو واپس کرنا۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں روزی کی کنجی ہیں [2]۔

اسلام نے اپنے حیات بخش پروگراموں اور بلند قوانین کے ذریعہ لوگوں کو بطور عموم ایک خوش بخت و سعادت بخش زندگی کی طرف اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرکے بلایا ہے اور امانت کی حفاظت کیلئے بڑی سختی کے ساتھ تاکید کی ہے۔ چنانچہ امام سجادؑ کا ارشاد ہے (۵): تمہارے اوپر امانتوں کی واپسی واجب ہے۔ اس خدا کی قسم جس نے محمدؐ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اگر امام حسینؑ کا قاتل وہ تلوار جس سے اس نے میرے باپ کو شہید کیا ہے میرے پاس بطور امانت رکھدے تو میں اس کی امانت اس کو واپس کردوں گا [3]۔

خیانت کار اسلام کی نظر میں اتنا بے قیمت ہے کہ اگر مخصوص شرائط کے ساتھ لوگوں کے مال کو چرالے تو چوری کے جرم میں اس کے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیتا ہے اور امن عامہ کی حفاظت اور معاشرے کے حق کی حفاظت کیلئے بڑی سختی کے ساتھ اس پر سزاؤں کا اجرا کرتا ہے اور یہ اس لئے ہے تاکہ وظیفہ شناسی کی روح معاشرے میں زندہ ہوجائے۔ اور ایک صالح معاشرہ کیلئے زمین ہموار ہوجائے۔

ہر ناشائستہ اور بُرا فعل قطع نظر اس بات کے کہ وہ سقوط انسانیت کا سبب ہوتا ہے خود اس فعل کے ارتکاب کرنے والے کیلئے بُرے نتائج کا ذمہ دار ہوتا ہے اور وہ اسی دنیا میں اس کا نتیجہ دیکھ لیتا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: جو شخص برا کام کریگا اسی دنیا میں اسکی سزا اسکو مل جائیگی۔ [4]

ڈاکٹر روسکین کہتا ہے: میں نے اپنی زندگی میں جس جرم کا بھی ارتکاب کیا ہے وہی میرے

---

[1] غرر الحکم ص ۱۵۰۔ [2] سفینۃ البحار ج ۱ ص ۱۴۱۔ [3] امالی صدوق ص ۱۴۹

خلاف کھڑا ہوا ہے. اور میرے سکون و چین کو غارت کر دیا ہے۔ اور میری فہم و ادراک کی قوتوں میں خلل ڈال دیا ہے. اور اس کا عکس بھی صحیح ہے کہ ہر وہ نیک کوشش جو میں نے کبھی ماضی میں کی ہے اور سچائی و حقیقت کی بجلی جو میرے اعمال و افکار سے چمکی ہے وہ ہمیشہ میرے ساتھ رہی ہے، مجھے شوق دلاتی اور میری ہمت بڑھاتی رہی ہے تاکہ میں اپنے بلند مقاصد تک پہونچ سکوں۔

میکانیکی قانون جو عمل و ردعمل کا قائل ہے وہ علم اخلاق میں بھی پورا اترتا ہے. ہر اچھے اور بُرے عمل کا اثباتی یا منفی اثر (یا فعل و ردفعل کا اثر) اس کے مالک میں اور اس کے ملنے والوں میں بہرحال ہوتا ہے۔ [1]

حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: دوستی و امانت داری ایمان کی علامت ہے [2]

حضرت علیؑ ہی کا ارشاد ہے: خیانت قلت پرہیزگاری اور بے دینی کی دلیل ہے [3]

ایمان! روح کیلئے ایک دفاعی ہتھیار ہے اور ایسا مؤثر ترین عامل ہے. جو روحِ بشر کی گہرائیوں میں نفوذ کر کے اس کے اعمال و کردار پر کنٹرول کر سکتا ہے۔ ایمان ہی وہ چیز ہے جس نے اپنے اثر و نفوذ سے شخصی و اجتماعی ذمہ داری کے احساس کو انسان کے اندر زندہ کر کے فساد و آلودگیوں سے روکتا ہے. معاشرے کو صراطِ مستقیم کی طرف چلا کر مفاسد و خیانتوں کی روک تھام کرتا ہے اسی لئے بچوں کی سعادت و نیک بختی میں والدین کے کردار کو بہت بڑا دخل ہے اسی وجہ سے ان کا فریضہ ہے کہ اپنے بچوں پر خصوصی توجہ کر کے ایمان باللہ کو ان کے دلوں میں زندہ کریں۔ اور اچھے اخلاق و صفات کو ان کے اندر پرورش کریں۔

امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں: بچوں کی تربیت و سرپرستی کے سلسلہ میں تمہاری بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ تمہارا فریضہ ہے کہ بچوں کو اچھے اخلاق و پسندیدہ صفات سکھاؤ اور انکی خداوند عالم کی طرف رہنمائی کرو۔ اور خدائے بزرگ و برتر کی اطاعت و فرمانبرداری پر ان کی مدد کرو [4]

---

[1] اخلاق سامویل [2] غرر الحکم ص ۴۵۲ [3] غرر الحکم ص ۵۲ [4] وافی کتاب کفر و ایمان ص ۱۲۷

ڈاکٹر ریمانڈ بیج کہتا ہے: گھریلو ماحول میں اجمالی طور سے دین کی باتیں کافی نہیں ہیں بلکہ والدین کا فریضہ ہے کہ ان کے جزئی اعمال، ان کی رفتار و گفتار، ان کے تخیلات و احساسات ان کے جذبات پر ایمان کی روشنی مسلط کریں. دین کو قید و بند کی جکڑ سے آزاد کر کے بچوں کی پاکیزہ روح کی گہرائیوں میں اور ان کی طیب و طاہر روح میں جو تمہاری نصیحتوں کو سننے کے منتظر ہیں۔ اصول دین، نجات بخش مبانی کو مضبوطی کے ساتھ بٹھا دیں۔ ایسا کرنے سے زندگی کے مشکل ترین مراحل میں بھی ان کا عقیدہ اور ایمان دین پر مکمل طرح سے رہتا ہے اور یہی چیز ان کو انحراف و انحطاط سے محفوظ رکھ سکتی ہے [1]

حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: صاحبانِ عقل ادب کے اسی طرح محتاج ہیں جس طرح زراعت پانی کی محتاج ہے [2]

ڈاکٹر ژیلبرٹ رومن کہتا ہے: ہو سکتا ہے میری اس بات کو گفتگو و رفتار کی طرح ادب بھی انسان کو فطری طور سے حاصل ہو جاتا ہے" بہت سے لوگ قبول نہ کریں. اس بات کو دوسرے لفظوں میں اس طرح عرض کروں کہ سب سے پہلا فریضہ اپنی اجتماعی زندگی میں جو انسان کو حاصل ہوتا ہے وہ زندگی کا "الفباء" ہی ہے. یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ انسان کو با ادب بنانے میں عقل کوئی مدد نہیں کرتی. بلکہ ادب کی حکمرانی فکر کے بیدار ہونے اور اس کی علامت ظاہر ہونے سے پہلے ہی ہوتی ہے. ہاں ادب سے عقل ضرور استفادہ کرتی ہے. لیکن کسی بھی طرح ادب (عقل) کی مدد کا محتاج نہیں ہوتا. اسی لئے جب میں کسی ماں کو یہ کہتے ہوئے سنتا ہوں کہ: "جانے دو بڑا ہو کر خود ہی سمجھ جائیگا عقل آجائے گی" تو مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے کیونکہ اگر بچہ بچپنے میں ادب کا پابند نہ ہو سکا تو بڑے ہونے پر عقل اس کو ادب نہیں سکھا سکتی. البتہ یہ بات کہی جا سکتی ہے عقل وہ فعّال ہے. جو ہم کو گمراہی سے بچا سکتی ہے. اور صحیح و مختصر راستہ کی نشاندہی کر سکتی ہے۔ عقل ہم کو ہر قسم کے

---

[1] مادر فرزندان ما [2] غرر الحکم ص ۲۲۴

رکود و جمود سے روکتی ہے۔ عقل جس طرح ہم کو غلط خواہشات و جذبات و میلان سے روکتی ہے! اسی طرح ہم کو بغض، حسد، کینہ، لوگوں سے نفرت کرنے سے بھی روکتی ہے۔ اس بات کو ایک جملہ میں اسطرح ادا کیا جا سکتا ہے: عقل ہم کو اجتماعی بناتی ہے۔ دوسروں کی طرف سے منہ موڑ کر صرف اپنے ہی لئے سب کچھ کرنے سے روکتی ہے جو شخص باادب ہے وہ تنہا نہیں ہوتا بلکہ وہ عالمی ہوتا ہے اسکی ذات معاشروں کی زبان ہوتی ہے وہ لوگوں کے بیداری کا سبب بنتا ہے[1]

جرائم کے کم ہونے کے لئے جو سخت سے سخت قوانین بنائے جاتے ہیں اور اس کے لئے جو مساعی جمیلہ کی جاتی ہیں اور لوگوں کو بیدار و ہوشیار بنانے کے لئے جو بے انتہا دولت خرچ کی جاتی ہے۔ جتنے بھی وسیع پیمانے پر ادارے قائم کئے جاتے ہیں۔ اور با اختیار اور نئے آلات سے لیس عدالتیں قائم کی جاتی ہیں اور ان کے علاوہ جن چیزوں سے خیانت کو کم کرنیکی کوششیں کی جاتی ہیں۔ وہ ساری چیزیں وہ سارے اقدامات ناکام ہو جاتے ہیں۔ ان سے کوئی خاص فائدہ نہیں پہونچتا بلکہ حق تو یہ ہے کہ دن بہ دن جرائم و خیانت کا سلسلہ بڑی بھیانک صورت میں وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔

● ● ●

---

[1] مجموعۂ چہ میدانم

(۱۵)

بخل

① تعاون وہمکاری

② بخل جذبات کو پیس دیتا ہے

③ ائمہ معصومین ؑ کے اقوال

(۱)

تعاون وہمکاری

ہر انسان کی طبیعت میں کچھ مخصوص استعداد ہوا کرتی ہے اور ہر شخص اپنی استعداد کو کامل بنانے اور نتیجہ خیز بنانے میں دوسروں کے مخلصانہ تعاون کا محتاج ہے۔ معاشرے اور افراد کی ترقی و توفیق کیلئے اصل تعاون ایک زبردست مؤثر ہے۔

خداوند عالم نے انسان کو اجتماعی زندگی کے لئے پیدا کیا ہے اس لئے فطرتاً اپنی مشاکل حیات کو حل کرنے کیلئے اپنے ہمنوع کے تعاون کا محتاج ہے۔

زندگی کے حادثات اور خواہشاتِ نفس انسان کے لئے مشکلات پیدا کر دیتے ہیں۔ اور اس وجہ سے وہ اپنی زندگی میں تلخ حادثات کا شکار رہتا ہے۔ اور وہ ان مصائب و پریشانیوں میں دوسروں کے تعاون سے مستغنی نہیں ہوتا۔ اور اسی قانون کلی کی بنا پر بشری تکالیف فرد کی قدرت سے خارج کر کے مختلف طبقوں کے افراد پر تقسیم کی گئی ہیں۔ ایک فرد کا تعاون چاہے وہ کتنا ہی ناچیز ہو معاشرے کی پیشرفت میں بہرحال مفید ہے اور نواقص اجتماعی کے بعض حصوں کی تکمیل کرتا ہے۔

چونکہ معاشرے کے حالات افراد میں مجسم ہیں اس لئے ہم مختلف و متعدد اعتبار سے معاشرہ کو انسانی بدن سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ جس طرح انسان کا بدن ایسے مختلف اجزاء سے مرکب ہے جن میں فطری ارتباط پایا جاتا ہے اور اسی ارتباط کی بنا پر بقائے انسان موقوف ہے بایں معنی

کہ ہر ہر عضو اپنی فعالیت کو نظام بدن میں پورا کرتا ہے اور اپنے فرائض سے سر مو انحراف نہیں کرتا۔ اسی طرح معاشرہ بھی اپنے اجزاء (یعنی) افراد سے مرکب ہوتا ہے اور معاشرہ کی بقا بھی اسی بات پر موقوف ہے کہ اس کے اجزاء (افراد) اپنی اہم ذمہ داریوں کو پورا کریں۔ ہر شخص اپنی اس ذمہ داری کی تکمیل کرے جو اس سے متعلق ہے اور اپنے ذخائر وجودی کو خواہ وہ مادی ہوں یا معنوی معاشرہ کے اصلاح پر اپنی استعداد و مہارت کے مطابق صرف کرے۔

تمام لوگوں کا سکون و رفاہ اور زندگی کی راہ میں پیدا ہونے والے مشاکل سے نمٹنا اسی وقت ممکن ہے جب تمام لوگوں کے درمیان ایک دوسرے سے تعاون کرنے کا جذبہ موجود ہو۔ اسی لئے جب تک آپسی تعاون مضبوط نہ ہوگا معاشرے کی گاڑی کے پہیئے ترقی کی طرف حرکت نہیں کر سکتے۔

● ● ●

بخل جذبات کو پیس دیتا ہے

انسان کے روح کی گہرائیوں سے کچھ ایسے لطیف جذبات جوش مار کر نکلتے ہیں جنکا نتیجہ ضرورت سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے وہ جذبات اپنے ہم نوع افراد کے لئے منشاء تعاون ہوتے ہیں اور یہ "احساسات جو ہم جنس افراد کے لئے بصورت تعاون ظاہر ہوتے ہیں"۔ بلند ترین مزایائے روحی اور لطیف ترین غرائز انسانی ہوتے ہیں۔ یہی احساسات و جذبات جب دوسروں کو رنج و غم شقاوت و بدبختی میں مبتلا دیکھتے ہیں۔ تو اس کے لئے ہر قسم کی قربانی و فداکاری کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور دوسروں سے کسی تعریف یا جزا کی توقع کئے بغیر اور اپنے منافع شخصی سے

قطع نظر کرتے ہوئے دوسروں کے رنج و غم میں تخفیف کی کوشش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر کارل کہتا ہے: اس زندگی میں کسی فداکاری اور قربانی کے بغیر پیشرفت ممکن ہی نہیں ہے بلکہ خود روح کی پاکیزگی و طہارت و جِلا بغیر اپنے وجود و شہرت اور زندگی کی دوسری چیزوں کی قربانی دیئے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور یہ قربانی یا تو دوسرے ہم نوع افراد یا وطن یا کسی دوسرے عظیم مقصد کے لئے ہونی چاہئے۔ فداکاری اس بہادر فوجی کی طرح ہے جو زندگی کے ہیبتناک میدان جہاد میں اپنے مقصد و ارادہ سے قربانی پیش کرتا ہے۔ یہی قربانی کا جذبہ ہے جس نے نیویارک میں اپنے ذاتی مطب کو چھوڑ کر تن تنہا (نوکوشی) کو افریقہ جانے پر مجبور کر دیا جہاں اس وقت تپ زرد کا دور دورہ تھا۔ اور آخر کار وہ بھی اسی بیماری کی بھینٹ چڑھ گیا۔ قربانی ان اشخاص کا شیوہ ہے جنھوں نے جمال حقیقت کا ادراک کر لیا ہے اور اپنے پورے وجود کے ساتھ خدائے واحد پر ایمان لائے ہیں۔ یہی لوگ دنیا میں حکومت عدل و محبت قائم کرنے کے لئے اپنی جان دیدیتے ہیں۔ اور یہی جذبات و احساسات ہی ہیں جو انسان کو منتہائے کمال تک پہونچا دیتے ہیں یہ کام تنہا عقل کا نہیں ہے یہ نفس کا کام ہے کہ شوق والم کے ساتھ اتنی ترقی کر لیتا ہے جتنا تعقل و تفکر سے نہیں کر سکتا۔ بلکہ نفس کبھی عقل سے آگے بڑھ جاتا ہے اور عقل کو پیچھے کر دیتا ہے ہر شخص اس راستہ پر چل کر تیرگی سے پرے ہٹ کر نور کی چوٹیوں تک پہونچ سکتا ہے۔

آدمی کے ضمیر میں کبھی ایک ایسی صفت پیدا ہو جاتی ہے جو عواطف و جذبات کے رگ و ریشہ کو جلا کر طبیعت کو ہر قسم کے فضائل سے خالی ہاتھ ہو جانے پر آمادہ کرتی ہے اور بخل ایک ایسی بری صفت ہے جو انسان کو تمام روحانی و اخلاقی عہد و پیمان توڑنے اور اصول انسانی سے بے پروائی برتنے پر آمادہ کرتی ہے۔ بلکہ افق عقل و فکر کو بھی محدود کر دیتی ہے اور بخیل کو ذلیل و حقیر اور لوگوں کی نظروں میں اس کے لئے نفرت پیدا کر دیتی ہے بخیل کے افکار بھی

اس بخل کی وجہ سے جو اس کی روح کی گہرائیوں میں اتر چکا ہوتا ہے۔ بخیل کو صرف مادیات کے اردگرد گھومنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اور اس کے افکار کو دولت و ثروت ہی پر مرکوز کر دیتے ہیں۔ اسی لئے وہ زندگی کے حقائق کا ادراک اور اخلاقی و معنوی قدروں کے احساس سے عاجز رہتا ہے حالانکہ دولت و ثروت کا مطلب اپنی ضرورتوں کی تکمیل ہوتی ہے دولت و ثروت خود مقصود بالذات نہیں ہوا کرتی۔ اور انسان کی ضرورتوں کی تکمیل کے بعد دولت و ثروت کیلئے راحت و آسائش میں کوئی جگہ نہیں رہتی اور نہ دولت و ثروت باطنی تکالیف کا علاج کر سکتی ہے۔ موہوم فقر و فاقہ ہی وہ مصیبت ہے جو بخیل کے گلوگیر رہتی ہے اور خیالی رنج و غم سے اس کو چھٹکارا نہیں مل پاتا اسی لئے وہ اپنی تمام دولت و ثروت کے بجائے ذہنی سکون نہیں حاصل کر پاتا۔

مغربی دانشمند آدیموری کہتا ہے: لوگ دولت و ثروت کے علاوہ کسی اور چیز کی تمنا ہی نہیں کرتے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ دولت و ثروت کے علاوہ دنیا میں کوئی ایسی چیز ہی نہیں ہے جس کی تمنا کیجائے۔ آپ کو بکثرت ایسے لوگوں سے بھی سابقہ پڑے گا جن کو علم و معرفت سے کوئی لذت ہی نہیں محسوس ہوتی۔ ان لوگوں نے طلب مال کے لئے اپنے اوپر ہر قسم کی راحت بلکہ نیند تک کو حرام کر لیا ہے۔ دن رات حصول مال کی سعی کرتے رہتے ہیں۔ جن لوگوں کی زندگی کا مقصد صرف حصولِ مال ہوتا ہے۔ وہ حقائق سے بہت دور ہو جاتے ہیں وہ یہ نہیں سمجھ پاتے کہ دولت و ثروت وسیلۂ لذت ہے نفس لذت نہیں ہے مال کی حیثیت صرف اس پل کی طرح ہے جو ہم کو ہلاکت سے بچا لے۔ اس لئے وہ لوگ بہت گھاٹے میں ہیں جو ساری عمر اس پل ہی کو مضبوط کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ حصول مال کے لئے زندگی کو صرف نہ کرنا چاہیئے ہمارا فریضہ ہے کہ مال کو اپنے لئے خرچ کریں۔ نہ کہ اپنے کو مال کے لئے خرچ کریں جو لوگ دنیا میں صرف مال کے پیچھے ہی دوڑا کرتے ہیں وہ نہایت ہی بدبخت ہیں۔ ان کو اپنی دولت و ثروت سے

تعب و پریشانی کے علاوہ کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پوری عمر تو حصولِ مال کے لئے صرف کر دیتے ہیں۔ اب اس مال سے لذت اٹھانے کیلئے ان کو دوسری عمر کی ضرورت ہے لیکن افسوس تو یہی ہے کہ گئی ہوئی عمر اسی طرح واپس نہیں ہوتی جیسے کہی ہوتی بات !!

معلوم ہوتا ہے کہ دولت و بخل میں ڈائریکٹ کوئی رابطہ ہے کیونکہ ہم نے اکثر مالداروں کو بخیل ہی دیکھا ہے اگر آپ معاشروں کے بارے میں تھوڑا سا مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائیگا کہ فقراء کی ضرورتوں اور محتاجوں کی کفالت زیادہ تر درمیانی طبقہ کے لوگ کرتے ہیں مالدار حضرات نہیں کرتے۔

مالدار بخیل حضرات ہی غریبوں کے حسد و کینہ کا شکار ہوتے ہیں اور بعض اجتماعی مفاسد کے یہی لوگ ذمہ دار بھی ہوتے ہیں۔ کیونکہ غریبوں کے کندھوں پر جو رنج و غم و ناراحتی کا بوجھ ہے وہی انتشار، فساد اور مختلف صورتوں میں انحراف کا سبب بنتا ہے اور کوئی ایسا نہیں ہے جو اسی ناراضگی کو کثرتِ جرائم کا سبب نہ جانتا ہو۔ کیونکہ بہت سے مالدار لوگ جو ثروت و دولت سے بے پناہ محبّت کرتے ہیں۔ وہی انسانیت کے دائرہ سے خارج ہو کر افراد معاشرہ کے حقوق کو پامال کرتے ہیں۔ اور ظلم و ستم کرتے ہیں اور اپنی پوری طاقت سے فقیروں کے حقوق کو میں ڈالتے ہیں معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان کے یہاں انسانی جذبات کا وجود ہی نہیں ہے۔

البتہ جود و سخاوت کو انسان کی ترقی کے اسباب میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور ایک واقعی اور آزاد انسان کی ثباتِ فکر و بلندی روح کی علامت سخاوت ہے۔ تمام اخلاقِ حسنہ کے اندر سخاوت ہی وہ صفت ہے جو سب سے ممتاز ہے۔ صدیوں کے بعد اور ظلمت کدۂ تاریخ کے اندر اب تک حاتم طائی کا چہرہ روشن ہے۔ اور اب تک لوگ اس کے مداح ہیں۔

لیکن یہ نکتہ ضرور یاد رکھئے کہ جود و سخا جب صرف قُرْبَةً اِلَى الله اور محض غریبوں کے رنج و غم کو دور کرنے کیلئے ہو تب ہی قابل تعریف ہے اور اگر اس میں ریاکاری کا عنصر موجود ہو تو پھر لائق تعریف نہیں ہے۔

●●●

(۳)

ائمہ معصومینؑ کے اقوال

اسلام نے معاشرے کی طرف کافی توجہ دی ہے۔ امیروں اور فقیروں کے درمیان مہر و محبت برقرار رکھنے کے لئے اس نے سخاوت کی طرف لوگوں کو بہت اُبھارا ہے اور بخل و کنجوسی کی ضرورت سے زیادہ مذمت کی ہے انسانی جذبات کی پرورش اور معاشرے کے اندر تعاون کی روح کو تقویت دینے کیلئے محبت و سخاوت پر بہت زیادہ ہے۔ اسلام اس بات کو شدت سے ناپسند کرتا ہے کہ مالدار غریب کی طرف سے غفلت برتے اور وہ بخل سے کام لے کیونکہ بخل اس بات کا سبب بنتا ہے کہ مالدار لوگ اپنے اس مذہبی و حقوقی ذمہ داریوں کے بوجھ کو اپنے کندھوں سے اتار پھینکیں جس کو اسلام نے غریبوں کے لئے مخصوص کیا ہے۔

قرآن نے اس حقیقت کو بہت واضح کر دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اور جن لوگوں کو خدا نے اپنے فضل و کرم سے کچھ دیا ہے (اور وہ پھر بھی) بخل کرتے ہیں وہ ہرگز اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ ان کے لئے بہتر ہوگا۔ بلکہ یہ ان کے حق میں بہت ہی بدتر ہے۔ کیونکہ جس مال سے وہ بخل کرتے ہیں۔ عنقریب ہی قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر ان کے گلے میں پہنا دیا جائے گا۔ اور سارے زمین و آسمان کا مالک اس دن خدا ہوگا[1]۔

مسلمانوں کو مہر و محبت اور آپسی ہمدردی کا مکمل پابند ہونا چاہئے۔ اور ان کی زندگی آپسی تعاون پر استوار ہونا چاہئے۔ ان کے دل میں محبت و جذبات کے سوتے پھوٹنے چاہئیں۔

---

[1] پ ۴۔ س ۳ (آل عمران) آیۃ ۱۸۰

اور بخل چونکہ جذبات کو پس ڈالنے والا ہے۔ اس لئے روح اسلام سے اس کا کوئی رابطہ ہی نہیں ہے۔
رسولؐ اسلام فرماتے ہیں: کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اسلام کو اس طرح پامال کر دے۔ (مٹا ڈالے) جس طرح بخل پامال کرتا (مٹا دیتا) ہے[1]۔ بخل ایک ایسی صفت ہے جو انسان سے راحت و آسائش کو چھین لیتا ہے اور روح کو شکنجہ میں کس دیتا ہے۔ رسولؐ اکرم کا ارشاد ہے: سب سے کم راحت بخیل کو ملتی ہے[2]۔
ایک مغربی مفکر کہتا ہے: جو شخص محبت کی تلاش میں ہوتا ہے (چاہے وہ تلاش لاشعوری طور سے ہو) وہ زیادہ تر خود اپنے ہی کو سرزنش کرتا ہے اور اپنے افعال سے راضی نہیں ہوتا۔ اسی لئے ہم میں سے اکثر افراد دوسروں کی زندگی پر حسرت و افسوس کرتے ہیں۔ اور دوسروں کو جیسے سے شدید بخل کا احساس کرتے ہیں۔ اور یہ بات فقیروں کے لئے بہ نسبت مالداروں کے اور مالداروں کے لئے بہ نسبت فقیروں کے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ ہم میں ہر شخص چاہے فقیر ہو یا امیر ہو جب دوسرے کی زندگی کو دیکھتا ہے تو اس کو اپنی سعادت یا بدبختی کی دلیل قرار دیتا ہے، مثلاً اگر کسی کے پاس مکان، زندگی، عہدہ، مرتبہ، بیوی، بچہ رشتہ دار ہیں تو وہ اپنے اس دوست سے جس کے پاس یہ سب کچھ نہیں ہے اس طرح بخل کرتا ہے کہ میرا دوست کیوں اتنے اچھے لباس پہنتا ہے۔ یا مجھ سے زیادہ جوان کیوں ہے؟ بلکہ ان میں اگر کچھ بھی نہ ہو تب بھی بخل کرتا ہے اور کہتا ہے کتنی اچھی بات اس کے لئے ہے کہ نہ بچوں کا غم ہے نہ کوئی جائداد یا دیہات اسکے پاس ہے جس کی وجہ سے اس کو پریشانی لاحق ہو ارے میری طرح کی پریشانی تو نہیں رکھتا ان تمام باتوں کی اسکو کوئی فکر ہی نہیں ہے۔ اس طرح محبت کا متلاشی اپنے لئے دلیل تلاش کیتا ہے تاکہ اپنے کو حقیر کو ذلیل قرار دے اور اپنی حقارت کا تصور کر کے رنج اٹھاتا ہے اور دوسروں کی نسبت بخل کرتا ہے[3]۔

---

[1] نہج الفصاحہ ص ۵۴۹ [2] نہج البلاغہ ص ۸۱ [3] روانکاری

رسولؐ خدا اپنے خدا سے ان لوگوں کیلئے طلب رحمت کرتے ہیں جو مال کے عاشق نہیں ہوتے بلکہ اپنی ضرورت سے زیادہ مال کو مستحقین کو دے دیتے ہیں فرماتے ہیں: "رَحِمَ اللّٰهُ امْرَءًا اَمْسَكَ الْفَضْلَ مِنْ قَوْلِهٖ وَاَنْفَقَ الْفَضْلَ مِنْ مَالِهٖ" خدا کا لطف وکرم اس شخص کو شامل ہو جو اپنی فاضل (ضرورت سے زیادہ) گفتگو کو روک لے اور اپنے فاضل (ضرورت سے زیادہ) مال کو خرچ کر دے لہ۔ دوسری جگہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں: بخل سے بچو کیونکہ اسی بخل نے گذشتہ لوگوں کو ہلاک کیا ہے اور ان کو ایک دوسرے کے خون سے ہاتھ رنگنے اور محرمات کو حلال کرنے پر آمادہ کیا ہے ۲ھ

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: مجھے اس بدبخت بخیل پر تعجب ہوتا ہے جو اس فقر کو جلدی بلا ہے جس سے وہ بھاگتا ہے اور اس دولت وثروت کو چھوڑ دیتا ہے جس کی تلاش میں (زندگی بھر) سرگرداں رہتا ہے۔ دنیا میں فقیروں کی سی زندگی بسر کرتا ہے مگر آخرت میں مالداروں کی طرح حساب دے گا ۳ھ

مغربی مفکر آدیوری کہتا ہے: بعض لوگ بظاہر ثروتمند ہوتے ہیں اور بہ باطن فقیر ہوتے ہیں اپنے مال تک کے مالک نہیں ہوتے۔ اپنی خساستِ طبع کی بنا پر اس مال کے خرچ پر قدرت نہیں رکھتے۔ ان کا مال سونے کی زنجیر کی طرح ان کے گلے میں پڑا رہتا ہے۔ اور اس کا رنج وغم کے علاوہ کوئی فائدہ بھی نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے مال وبال اور ثروت مایۂ نکبت ہوتی ہے ۴ھ

بخل ایک ایسی بری صفت ہے کہ بخیل کے بیوی بچے بھی اس سے نفرت کرتے ہیں۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: سخاوت دوسروں کو محبت کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اور بخل اپنوں کو بھی نفرت

لہ نہج الفصاحۃ ص ۸۱ ۲ھ نہج الفصاحۃ ص ۸

۳ھ غرر الحکم ص ۴۹۷ ۴ھ در آغوش خوش بختی

کرنے پر آمادہ کرتا ہے[1]۔ حرص اور بخل کی بنیاد شک و عدم اطمینان و اعتماد پر ہوتی ہے[2]۔

ڈاکٹر فارمر کہتا ہے: اپنے اوپر اور دوسروں پر اطمینان و اعتماد سے دو صفتیں جو سخاوت و استقلال کی صورت میں پیدا ہوتی ہیں۔ جب یہ متحد و توأم ہو جاتی ہیں تو اخلاق اجتماعی کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور اجتماع سے پورا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اور جب تک یہ دونوں صفتیں متحد نہ ہوں اس وقت تک نہ تو اجتماعی اخلاق مکمل ہوتا ہے۔ اور نہ معاشرہ سے کامل استفادہ کیا جا سکتا ہے[3]۔

امام موسیٰ کاظمؑ سخاوت کی قیمتی صفت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: خوش اخلاق سخی دنیا میں خدا کی پناہ میں ہے اور اسی کا انجام بہشت ہے خداوند عالم نے کسی نبیؐ یا وصی نبی کو بخیل بنا کر نہیں بھیجا۔ اسی طرح تمام صالحین بھی سخی تھے۔ میرے والدؑ بزرگوار مرتے دم تک مجھے سخاوت کی تاکید کرتے رہے[4]۔

ایک اسلامی جنگ میں جب مسلمانوں اور مشرکوں کا لشکر ایک دوسرے کے مقابل میں کھڑا تھا مشرکوں کی صف سے ایک آدمی نکل کر باہر آیا اور حضرت علیؑ کو اپنے مقابلہ کیلئے بلایا۔ اور جنگ میں دونوں مشغول ہو گئے۔ عین حالت میں مشرک نے حضرت علیؑ سے کہا: اپنی تلوار مجھے مرحمت فرمائیں! حضرت علیؑ نے فوراً تلوار دیدی۔ وہ شخص حضرت علیؑ کی بلند ہمتی پر عش عش کرنے لگا اور بڑے تعجب سے بولا! ابوطالبؑ کے فرزند مجھے سخت تعجب ہے کہ ایسی حالت میں آپ نے اپنی تلوار دشمن کے حوالہ کر دی اور خود نہتے ہو گئے۔ حضرتؑ نے فرمایا: تو نے سوال کیا تھا۔ اس لئے دیدیا۔ اس لئے کہ میں چاہے جس حالت میں ہوں سائل کے سوال کو رد کرنا جوانمردی کے خلاف سمجھتا ہوں۔ وہ مشرک عظمت علیؑ کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا اور اس کے اندر عظیم انقلاب پیدا ہو گیا اور وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔

---

[1] غرر الحکم ص ۳۶۸ — [2] غرر الحکم ص ۴۸۸

[3] راز خوش بختی — [4] فروع کافی ج ۴ ص ۲۸

نجیل کو سب سے زیادہ فکری رہبری کی ضرورت ہے۔ اگر وہ اس رہبری سے
محروم ہو گیا تو ہمیشہ ہمیشہ مادیت کے دلدل میں پھنسا رہ جاتا ہے۔

● ● ●

(۱۶)

لائحہ عمل

① ضروریات زندگی کی تحقیق

② عالم کون و مکاں کی نعمتیں بھی حریص کو سیر نہیں کر سکتیں

③ اسلام تعادُل کا قائل ہے

(۱)

ضروریاتِ زندگی کی تحقیق

جس دن سے انسان نے اس کرۂ خاکی پر قدم رکھا ہے اور زندگی کی ابتدا کی ہے اسی دن سے مختلف قسم کی ضرورتوں نے اس کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ ان ضرورتوں میں سے کچھ تو ایسی ضرورتیں ہیں جو ابتدائی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اور انسان کا حیاتی نظام انھیں پر موقوف ہے مثلاً کھانا، کپڑا، مکان اور کچھ تو ایسی ضرورتیں ہیں جن کی کوئی حد ہی نہیں ہے اور نہ کسی کے بس کی یہ بات ہے کہ ان تمام ضرورتوں کو حاصل کر سکے بلکہ درحقیقت وہ ضرورتیں نہیں ہیں بلکہ دلچسپ قسم کے خواب ہیں۔

ہر شخص اپنے فطری تقاضوں اور اپنی ضرورتوں کے مطابق تحصیل مال کی کوشش کرتا ہے اور اپنی استطاعت بھر زندگی کی مشکلات اور موانع کو دور کرتا ہے اور چونکہ رونق مکمل طور سے مال سے وابستہ ہے اسی لئے قہری طور سے انسان کی زندگی مختلف طور سے گزرتی ہے اور اگر اس کی زندگی سختیوں سے دوچار ہوئی اور فقر و فاقہ نے اس کو گھیر لیا تو وہ اپنے اندر ذلت و رسوائی کا احساس کرنے لگتا ہے۔ اور وہ چاروں طرف حصولِ مال کیلئے ہاتھ پیر مارتا ہے تاکہ کسی طرح اس فقر و فاقہ کو اپنے کو بچا سکے اور اگر کہیں وہ مالدار ہو گیا تو تکبر، سرکشی، طغیان اس کا شیوہ بن جاتا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ثروت و سرکشی میں کوئی خاص رابطہ ہے کیونکہ جب انسان کے پاس بے پناہ دولت آجاتی ہے اور زندگی کے سارے چین و سکون حاصل ہو جاتے ہیں تو وہ بادۂ غرور و نخوت میں مست ہو جاتا ہے اور اس کے خیالات میں بے پناہ خواہشات سر ابھارنے

لگتی ہیں۔

انسانی زندگی مختلف شکل وصورت میں نمودار ہوتی ہے اور ہر شخص زندگی کو اپنے مخصوص انداز میں دیکھتا ہے اس لئے کہ تمام انسانوں کی فکری وعقلی استعداد برابر نہیں ہوتی اسلئے زاویۂ نگاہ بھی الگ الگ ہوتا ہے اور ابھی تو بہت زیادہ انسانی افراد ایسے ہیں جو کمال کے اس درجہ تک نہیں پہونچ سکے ہیں جہاں سے زندگی کی حقیقتوں کا ادراک کرسکیں اور علاقہ ہائے اسلامی ونجات کو خطرات سے تمیز دے سکیں۔ اس حقیقت کا ادراک اور سعادت کی اعلیٰ منزل تک رسائی ہی انسان کو اسرار وجود کی گہرائی میں غور وفکر پر آمادہ کرتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ وہ شخص "خودشناسی" کی منزل پر پہونچ جاتا ہے۔ لیکن یہ مرتبہ عقل ومنطق کے بغیر حاصل نہیں ہوا کرتا۔

انسان کو یہ جان لینا چاہیئے کہ آخر وہ اس بازار وجود میں کیا خریدنے آیا ہے تاکہ اسی علم کے مطابق راہِ سعادت کی تلاش کا آغاز کرے اور اپنی روحانی وفطری ضرورتوں کے مطابق اس میں پیشرفت کرے اور ان تمام چیزوں سے اجتناب کرے جو تکامل روحانیت اور واقعی شخصیت کے نمو میں حارج ہوتی ہیں۔

مادیات میں دوسروں سے گوئے سبقت لے جانا واقعی سعادت ہے اور نہ اس کو نجاح و فلاح کا نام دیا جاسکتا ہے مال زندگی کی چکی کا قطب نہیں ہے اور نہ ہی اس مال کیلئے تقویٰ وفضیلت کے حصار کو توڑنا چاہیئے اور نہ اس کیلئے شرافتِ انسانی کو مجروح کرنا چاہیئے۔

مشہور دانشمند ڈاکٹر کارل کہتے ہیں: لامذہب اور آزادی چاہنے والوں نے ہمارے افکار میں نفع جوئی اور حصولِ دولت کی چاہت کو بھر دیا ہے اور زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہماری نظر میں دولت وثروت کو قرار دیدیا ہے۔ زندگی کی کامیابی کا معیار دولت کو قرار دے دیا ہے۔ مادی منفعت کی فکر بینک وصنعت وتجارت سے لیکر ہر شعبۂ زندگی کا مطمح نظر دولت ہی کو بنا دیا ہے۔ ہمارے تمام اعمال کا محور ثروت مندی کو قرار دیدیا ہے۔

لیکن حقیقت امر یہ ہے کہ جس معاشرے میں امور مادّی کو اولویت دی جاتی ہے۔ وہ معاشرہ فضیلت و سعادت نہیں حاصل کر پاتا کیونکہ فضیلت کا مطلب قوانین زندگی کی اطاعت ہے۔ اور انسان جب اپنی تمام کوششوں کو اقتصادیات کے حصول میں منحصر کر دیتا ہے تو پھر فطرت کے قوانین کی پوری اطاعت نہیں کر پاتا۔ یہ بات مبالغہ آمیز نہیں ہے کہ فضیلت ہی ہم کو حقیقت تک پہونچاتی ہے اور تمام جسمانی و نفسیاتی فعالیت کو جہازِ انسانی کے نظام کے مطابق کرتی ہے ایک بافضیلت شخص اس مشین کی طرح ہے جو ہر وقت کام کرتی رہتی ہے آج جو ہمارے معاشرے میں خلل، آشفتگی، کمزوری پائی جاتی ہے وہ اسی فقدان فضیلت کی دین ہے۔

دراصل معنوی و روحی سرمایہ کا حصول ہی زندگی کا اصلی ہدف اور انسانی قدر و قیمت کا اصلی سرمایہ حیات ہے جس شخص کا روحانی خزانہ معنوی ثروت سے لبریز ہوتا ہے۔ وہ دنیاوی ضرورتوں کی طرف بہت کم احتیاج رکھتا ہے ایسے لوگوں میں عموماً ایک قسم کا استغناء ہو جاتا ہے جو ان کی زندگی کے تمام مراحل میں ان کے ساتھ رہتا ہے اور ایسے اشخاص کبھی بھی اپنی داریٔ و شخصیت کا تبادلہ مال و تجملات دنیا سے نہیں کیا کرتے۔

• • •

(۲)

عالمِ کون و مکاں کی نعمتیں بھی حریص کو سیر نہیں کر سکتیں

لالچ و حرص ایک ایسی اندرونی کیفیت ہے جو انسان کو ہمیشہ دولت و ثروت اور مادی نفع کی تلاش میں سرگرداں رکھتی ہے اور امور مالی کو اس کی تلاش و فکر و کوشش کا محور بنا دیتی ہے

اس منحوس میلان کا منبع خطرناک شہوانی قوت ہوتی ہے اور حرص کو انسان کی بدبختی و شومئی قسمت شمار کیا جاتا ہے۔

حرص انسان کو ایک خیالی سعادت میں مبتلا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی تمام کوششوں کو اس کے حصول کیلئے صرف کر دیتا ہے اور دیگر تمام چیزوں کو بھول جاتا ہے انتہا یہ ہے کہ وہ حصولِ مال کیلئے اپنے اخلاقی فضائل اور انسانی قواعد کو داؤں پر لگا دیتا ہے اور اس کو ہمیشہ زیادہ سے زیادہ حصولِ مال کا احساس رہتا ہے۔

ڈاکٹر شوبن ہاور کہتا ہے: ان خیالات و احساسات کی حد بندی ناممکن ہے جن کا تعلق بے پناہ دولت کے حصول سے مربوط ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان کی قناعت برابر کی نہیں ہوتی۔ اور نہ خواہشات کا کوئی معین پیمانہ ہوتا ہے۔ بلکہ انسان کی خواہشات متغیر و متفاوت ہوا کرتی ہیں۔ بعض حضرات مختصر سی اتنی دولت و ثروت پر راضی و خوشنود رہتے ہیں۔ جس سے زندگی کی گاڑی چلتی رہے۔ لیکن اس کے برخلاف بہت سے ایسے افراد بھی ہیں۔ جن کے پاس کافی مال و دولت ہوتی ہے۔ اور ان کی ضرورت سے زیادہ آمدنی بھی ہوتی ہے لیکن وہ ہمیشہ اپنی پریشانیوں کا رونا روتے رہتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کی تمام خواہشات پوری نہیں ہو سکیں۔ اسی سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ہر شخص کی مخصوص خواہشات ہوا کرتی ہیں اور جب اسکی خواہشیں ایک محدود حد تک اسکی مرضی کے مطابق پوری ہو جاتی ہیں تو وہ بڑی مسرت و خوشی کا اظہار کرتا ہے اور جب اسکی خواہشات کی تکمیل میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں تو وہ مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ مالداروں کی بے پناہ دولت غریبوں کو فریب نہیں دے پاتی۔ لیکن مالدار اپنی دولت و ثروت کے باوجود ہر وقت شاکی رہتا ہے۔ وہ اپنی دولت پر قانع نہیں رہتا بلکہ مسلسل دوسروں کے مال کو ہڑپ کر لینے کے چکر میں رہتا ہے۔ دولت و ثروت میں "آبِ شور" کا اثر ہوتا ہے آدمی جتنا بھی پیئے پیاس بڑھتی ہے اسی طرح دولت چاہے جتنی زیادہ ہو اس کی حرص بڑھتی ہی رہتی ہے۔

اسی لئے شاعر نے کہا ہے ؎

"حریص را نکند نعمتِ دو عالم سیر + همیشه آتش سوزنده اشتہا دارد"

دونوں عالم کی نعمت حریص کو سیر نہیں کر سکتیں۔ جیسے آتش سوزندہ کی اشتہا بھڑکتی رہتی ہے۔

اگر حرص کسی قوم کی روح پر غالب آجائے تو وہاں امن عامہ اور عدالت کے بجائے انسانی زندگی معرکۂ کارزار بن جاتی ہے اور معاشرے کے افراد میں لڑائی جھگڑے کا بازار گرم ہو جاتا ہے ظاہر سی بات ہے ایسے معاشرے میں اخلاقیات و معنویات پروان نہیں چڑھ سکتے۔

اس نکتہ کی طرف خاص توجہ رکھنی چاہئے کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں تکامل و ترقی اصول "پول پرتی" نے بالکل مختلف و متضاد ہے اس لئے ان کے درمیان ایک حدِ فاصل رکھنا چاہئے اور ہر ایک کا حساب دوسرے سے الگ رکھنا چاہئے کیونکہ معاشرۂ بشری میں شیرینی کے لئے کوئی مانع نہیں ہے۔ بلکہ ہر شخص اپنے فطری ادراک اور ذاتی استعداد کے مطابق بجلی کی سی ترقی کر سکتا ہے۔

حریصوں اور طمّاعوں کی کوششیں معاشرے کے اندر بدبختیوں اور ناکامیوں کو جنم دیتی ہیں یہ لوگ اصولِ عدالت کی پیروی نہ کر کے اور دوسروں کو ہلاکت میں ڈال کر بھی اپنا اُلّو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ اسی لئے وہ لوگ تمام منابع ثروت پر قبضہ کر کے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ان لوگوں کی انھیں حرکتوں کی بنا پر عالمی فقر و فاقہ اور اقتصادی مشکلات جنم پاتی ہیں۔

لوگ دولت کو بہت سے اعمال کا منبع سمجھتے ہیں اس لئے حصولِ دولت کی ضرورت سے زیادہ کوشش کرتے ہیں حالانکہ عالمی تاریخ میں بڑے بڑے کارنامے انجام دینے والے لوگ غریب ہی تھے بڑے بڑے مصنّف بڑے سے بڑے موجد حضرات کا تعلق غریب طبقہ ہی سے رہا ہے۔

اصولی طور پر دولت کی کثرت بہت سے لوگوں کیلئے مضر اور نقصان دہ ہے اور یہ دولت مند لوگوں سے وابستہ رذائل سے بہت جلد متصف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی جوان کو میراث میں بہت سی دولت مل گئی تو پھر اس کی ایجابی طاقت کمزور پڑ جاتی ہے۔ اس کی ہمت پست ہو جاتی ہے۔ سعی و عمل کیلئے اس کے پاس کوئی محرک نہیں رہتا بلکہ یہ دولت اس کو گناہوں پر آمادہ کرتی ہے۔ وہ اپنی پوری عمر علم و ادب سے بے پرواہ ہو کر لہو و لعب میں صرف کر دیتا ہے

ایک دن اپیکتوس سے اس کا ایک شناسا ملاقات کرنے گیا۔ یہ شخص یونانی اور بہت بڑا فلسفی تھا۔ اپیکتوس چونکہ اس شخص کی صدق نیت پر بھروسہ نہیں رکھتا تھا اس لئے بڑی سرد مہری سے اس سے ملاقات کی اور بولا! تم اصول و قواعد حاصل کرنا نہیں چاہتے تم تو صرف میرے مسلک پر نقد و تبصرہ کرنا جانتے ہو! اس شخص نے کہا: اگر میں تمہارے جیسے لوگوں کے مسلک پر عمل کرنے لگوں۔ تو تمہاری طرح میں بھی فقیر ہو جاؤں گا نہ میرے پاس سونے چاندی کے برتن ہونگے نہ حشم و خدم نہ زمین نہ ملک و مال کچھ بھی تو میرے پاس نہ ہوگا۔ اپیکتوس نے اس کو جواب دیا: میں ان چیزوں کا مالک نہیں ہونا چاہتا۔ اور تم میری ظاہری فقیری سے کہیں زیادہ فقیر ہو۔ میرے اور تمہارے درمیان میں یہ فرق ہے کہ میں ایسے حشم و خدم کا محتاج نہیں ہوں جو میری دفاع کرتے رہیں۔ اور میری حفاظت کرتے رہیں لیکن تم ان چیزوں کے محتاج ہو۔ لہذا میں مستغنی ہوا اور تم محتاج ہوئے۔ مجھے اس کی کوئی فکر نہیں ہوتی کہ بادشاہ کے خیالات میرے بارے میں اچھے ہیں یا بُرے۔ لہذا میں اس کی خوشامد و چاپلوسی نہیں کرتا۔ میں تمہارے سونے چاندی کے برتن کے بجائے استقلال نفس اور بے نیازی رکھتا ہوں۔ تمہاری فکر سونے، چاندی، مٹی کے برتنوں کے بارے میں ہوتی ہے۔ میری فکر ہی میرے لئے وہ وسیع مملکت ہے جس میں اپنی پوری زندگی خوش و خرم ہو کر گزارتا ہوں! تمہارے پاس بیکاری، کاہلی، اضطراب و پریشانی کے علاوہ کیا ہے؟ تمہاری دولت و ثروت میری نظر میں ہیچ ہے۔ لیکن میں اپنی دولت و ثروت کو بہت عظیم

سمجھتا ہوں۔ تمہاری امیدیں کبھی پوری ہونیوالی نہیں ہیں لیکن میری تمام امیدیں پوری ہوگئیں ہیں۔ بقول شاعر

تکیہ بر علم و خرد کن نہ بسیم و زر خویش + کز سر بے خردی تکیہ بزر جاہل کرد

یعنی علم و خرد پر بھروسہ کرو نہ کہ اپنے سیم و زر پر۔ کیونکہ بے وقوف آدمی اپنے زر و جواہر پر بھروسہ کرتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہر شخص کی محنت و مسرت اپنے حساب سے انسان کی زندگی میں دخیل ہوتی ہے۔ اور دنیا کا ہر آدمی چاہے غریب ہو یا مالدار اپنے حصّہ بھر رنج و غم پاتا ہے لیکن یہ بات اپنی جگہ پر طے شدہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ دولت و ثروت بہر حال انسان کی خوش بختی میں مؤثر نہیں ہے۔

سقراط کہتا ہے: بہت سے لوگ جنکے پاس نہ جواہرات ہیں نہ مال و دولت نہ لباس فاخرہ نہ شاندار محل لیکن اس کے باوجود ان کی زندگی دولتمندوں سے ہزار مرتبہ بہتر طریقے سے بسر ہوتی ہے۔

حریص واقعی اسیر اور مال کا غلام ہوتا ہے اور ایک نامرئی زنجیر اس کے گلے میں پڑی رہتی ہے وہ اپنے ناپختہ افکار کا اسیر رہتا ہے اور اس کا تصور یہ ہوتا ہے کہ اتنی بڑی دولت جو اس کے بعد والی نسلوں کیلیے بھی کافی ہے۔ ایک احتیاطی ذخیرہ ہے جو کسی اتفاقی وقت کیلئے کام آنے والی ہے لیکن جب موت کا پھندا تنگ ہونے کا وقت آتا ہے تب اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور اس وقت خطرے کی گھنٹی اس کے کانوں میں بجتی ہے ایک عربی شاعر کہتا ہے ؎

دَقَّاتُ قَلْبِ الْمَرْءِ قَائِلَةٌ لَهُ + اِنَّ الْحَيَاةَ دَقَائِقٌ وَ ثَوَانِيْ

انسان کے دل کی دھڑکنیں اس سے کہتی ہیں کہ زندگی منٹوں اور سکنڈوں کا نام ہے۔

اور اس وقت وہ بڑی حسرت سے اپنے اس ذخیرے کو دیکھتا ہے جس کو پوری زندگی بڑی مشکلوں سے جمع کیا تھا۔ اور پھر وہ اپنی ان حسرتوں، زحمتوں، امیدوں، خوابوں کو لیکر اپنے افراط و تفریط پر پچھتاتا ہوا آغوش قبر میں سو جاتا ہے اور اس کی ندامت اس کو کوئی فائدہ نہیں پہونچاتی۔

● ● ●

(۳)

اسلام تعادل کا قائل ہے

اسلام انسان کے تمام شعبہ ہائے زندگی میں سعی وکوشش کے میزان پر ترقی کا قائل ہونے کیساتھ ساتھ علائق مادی سے ضرورت سے زیادہ تعلق کو مایۂ بدبختی اور جاودانی سعادت سے محرومی۔ جو زندگی کا واقعی مقصد ہے۔ سمجھتا ہے اور بڑی سختی کے ساتھ علاوہ مادّی سے تعلق کو روکتا ہے حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: حریص بہ دنیا اس ریشم کے کیڑے کے مانند ہے جو اپنے اردگرد جتنا زیادہ جال بناتا ہے اپنی راہِ نجات کو اپنے لئے مشکل سے مشکل بناتا جاتا ہے یہاں تک کہ فرطِ اندوہ سے اپنی جان دیدیتا ہے[1]

رسول اکرمؐ فرماتے ہیں: حرص سے پرہیز کرو کیونکہ تم سے پہلے والے اسی حرص کی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں۔ اسی حرص نے ان کو بخل پر آمادہ کیا ہے بخیل ہو گئے ہیں۔ حرص نے ان کو اپنوں سے علیحدگی اختیار کرنے پر آمادہ کیا اور وہ اپنوں سے جدا ہو گئے۔ ان کو برائیوں پر آمادہ کیا اور وہ برے ہو گئے[2]

حضرت علیؑ حرص سے پیدا ہونے والی بدبختی کیطرف متوجہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حرص ولالچ سے پرہیز کرو کیونکہ حریص کی زندگی بدبختی ورنج سے ہمیشہ ملی ہوتی ہے[3]

ڈاکٹر ماردن کہتا ہے: زندگی میں مالداری ہر چیز سے عبارت نہیں ہوا کرتی اور واقعی سعادت مال جمع کرنے سے حاصل نہیں ہوا کرتی۔ لیکن بہت سے جوان اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ سب سے گراں بہا چیز مال ہے اسی لئے عمر کے گراں بہا ترین ایام کو اسی کے حصول میں خرچ کر دیتے ہیں۔ اور دیگر چیزوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔ یہ ایک غلط قسم کی فکر اور غلط نظریہ

---

[1] اصول کافی ج ۲ باب حبّ الدنیا [2] نہج الفصاحۃ ص ۱۹۹ [3] غرر الحکم ص ۱۲۵

ہے اور لوگوں کی زیادہ تر بدبختی اسی وجہ سے ہے ہماری ساری کوششیں شاندار عمارتوں قیمتی کاروں، زمین، جائداد، تفریحی اشیاء کے لئے ہوتی ہیں اور ہم خیال کرتے ہیں یہی چیزیں ہمارے خوش بختی تک پہونچنے کے وسیلے ہیں۔ حالانکہ یہی چیزیں ہماری ناکامی کا سرمایہ ہیں۔

انسان کی سب بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ صرف دولت جمع کرنے کیلئے زندہ رہے اور دولت کو اپنا معبود یکتا قرار دے اور بنی اسرائیل کی طرح سنہری گوسالہ پرستی شروع کردے۔ اگر انسان اپنے تصور باطل پر باقی رہے اور گمان کرے کہ مال ہی ہمارا وہ قدیمی معبود ہے جو راہِ سعادت تک ہم کو پہونچا سکتا ہے تو اس کو یہ اطمینان کرلینا چاہئے کہ اس نے راستہ گم کردیا ہے اور جادۂ توفیق و سعادت سے دور ہوگیا ہے [1]

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: حریص گرفتار ذلت ہے اور وہ اس قید سے نجات نہیں پاسکتا [2]

اس مقدس دین نے جو ندائے فطرت سے ہم آہنگ ہے مادی اور معنوی جنسوں میں تعادل کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے ماننے والوں کیلئے اس نے ایک ایسا راستہ منتخب کیا ہے جو ان کی جسمانی و روحانی سعادت کا ضامن ہے۔ دین کے ماننے والے چونکہ بلند ترین حقائق کیطرف توجہ رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کی روحانیت ناقابل شکست ہوتی ہے۔ اگر زندگی کی دوڑ میں فقدان شرائط کیوجہ سے پیشرفت نہیں کرپاتے تو اپنے فقر و تنگدستی کا جبران اپنے ذخائر عالی معنوی سے کرلیتے ہیں۔ زمانہ کے ناسازگار حالات سے پریشان نہیں ہوتے ہیں کی ایمانی قوت ان کو سکون و آرام بخشتی ہے۔

قناعت ایک ایسا وصف ہے جس کی بنا پر انسان اپنی اصلی ضرورتوں کو اور امور زندگی کو اپنی عقل و تدبیر سے منظم کرکے اپنی نیکبختی کو داغدار نہیں بناتا شرعی طریقہ سے اس کو جو مل جائے اسی پر خوش رہتا ہے۔ اور اسکا یہی عاقلانہ طریقہ کار اس کو اس بات کی فرصت مہیا کرتا ہے کہ اپنے

---

[1] خویشتن سازی [2] غرر الحکم ص ۵۰

مساعیٔ جمیلہ سے اپنے بلند مقاصد کو حاصل کرلیتا ہے اور انسانیت و فضائل سے آراستہ ہوجاتا ہے قناعت کرنے والا بزرگ ترین ثروت کو حاصل کرلیتا ہے کیونکہ اپنے اندرونی سکون کو وجہ سے اپنے اندر بے نیازی کا احساس کرتا ہے اور یہی بے نیازی حقیقت ثروت ہے۔

حضرت علیؑ اسی مطلب کو اپنے شیریں انداز سے اسطرح بیان کرتے ہیں: سب سے زیادہ ذہین آدمی وہ ہے جو لوگوں سے ناامیدی کو اپنا سرمایہ قرار دے لے۔ قناعت و پارسائی کو اپنا شیوہ بنالے، حرص و طمع سے بیزاری اختیار کرلے۔ کیونکہ حرص و طمع فقر و ناداری سے عبارت ہے اور لوگوں سے ناامیدی اور قناعت تونگری اور مالداری ہے[1]

جو شخص حریص و لالچی ہوتا ہے اس کی روح اور اس کا جسم مریض ہوتا ہے۔ مولائے کائناتؑ فرماتے ہیں: ہر حریص مبتلائے درد و بیماری ہے[2]

ڈاکٹر ماردن کہتا ہے: کچھ ایسے بھی افکار ہیں جو حرص و آز سے بھی بدتر ہیں۔ اور ایسے افکار نہ صرف جسم میں اثر انداز ہوتے ہیں۔ بلکہ نفس و روح میں بھی سرایت کرجاتے ہیں اور انکو بھی بیمار بنا دیتے ہیں۔ اور انسان کی زندگی حرام کر دیتے ہیں۔ زندگی کا راستہ بدل دیتے ہیں۔ اور بشر کی عالی ترین صفت کو نابود کر دیتے ہیں[3]

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: حرص روح کو پلید اور ایمان کو نابود کر دیتا ہے اور انسان کی قوت و جوانمردی کو اس سے چھین لیتا ہے[4] حضرت رسولخداؐ حرص سے پیدا ہونے والی بدبختیوں کو اس طرح بیان فرماتے ہیں: حریص آدمی شات سخت صفتوں میں گرفتار ہے۔

(۱) ایسے افکار و خیالات میں ہمیشہ مبتلا رہتا ہے جو اس کے جسم کو نقصان پہونچاتے ہیں (۲) ایسی کوشش میں لگا رہتا ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہوتی۔ (۳) ایسے رنج و غم میں مبتلا رہتا ہے

---

[1] غرر الحکم ص ۱۵۵ [2] غرر الحکم ص ۷۷

[3] پیروزی فکر [4] غرر الحکم ص ۷۷

جو موت سے پہلے ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ راحت و آرام کے وقت بھی عذاب و شکنجہ میں گرفتار رہتا ہے (۴) خوف و ہراس میں ہمیشہ مبتلا رہتا ہے۔ (۵) ایسے خوف میں مبتلا رہتا ہے جو بغیر فائدہ زندگی کو اس کیلئے تلخ بنا دیتا ہے۔ (۶) خداوند عالم کی بارگاہ میں اس سے سخت حساب لیا جائیگا البتہ اگر رحمت پروردگار اس کے شامل حال ہو جائے تو اور بات ہے (۷) سخت عقاب میں مبتلا ہوگا جس سے کوئی حیلہ و تدبیر بچا نہیں سکتی [1]

حرص ایک ایسی بیماری ہے جو انسان کو پستی و ذلت کی طرف لیجاتی ہے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: حرص انسان کو برائیوں پر آمادہ کرتی ہے [2] دوسری جگہ پر فرماتے ہیں: حرص کا نتیجہ عیوب میں مبتلا ہو جانا ہے [3]

ڈاکٹر ژان مارکو یست کہتا ہے: چوری بھی حرص کی پیداوار ہے۔ کیونکہ چور اسی چیز کو چراتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتی۔ اور اس کو اس چیز کے حصول کی تمنا ہوتی ہے۔ (لہذا چرا کر حاصل کر لیتا ہے) مثلاً جو شخص بازار سے موزہ چرا لیتا ہے یا امانت پر رکھی ہوئی سائیکل کو چرا لیتا ہے وہ صرف اس لئے چراتا ہے کہ اس کے دل میں ان چیزوں کے مالک ہونے کی طمع ہوتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ چوری پر ابھارنے والی چیز حرص ہی ہوا کرتی ہے [4]

پس اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حرص جیسی خطرناک بیماری کا علاج ایمان کے علاوہ کسی اور چیز سے نہیں کیا جا سکتا اور سکون قلب و راحت دل صرف معنوی قوتوں کی تقویت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

● ● ●

---

[1] مستدرک ج ۲ ص ۳۴۵ — [3] غرر الحکم ص ۱۶

[2] غرر الحکم ص ۶۰ — [4] مجموعۂ چہ می دانم

Cultural Affairs Of
Astan Quds Razavi
International Relations
P.O.Box ...
Mashhad I.R.IRAN

(۱۷)

مجادلہ

① انتہائی خود پسندی

② جدل سے کیا فائدہ؟

○ رہبرانِ دین کے ارشادات

(۱)

انتہائی خودپسندی

حبِّ ذات بنیادی غریزہ اور روح کی خصوصیتوں میں سے ایک ایسی خصوصیت ہے جو انسانی وجود کے خمیر میں شامل ہے اور یہی چیز انسان کو دائمی حیات کیلئے کوشش پر آمادہ کرتی ہے۔ اور اس کو اپنی ذات کی حفاظت پر تیار کرتی ہے اور اسی کی بنا پر انسان ان تمام چیزوں سے بھاگتا ہے جو اس کی حیات و ثبات کیلئے مضر ہوتی ہیں اور ان تمام چیزوں کی کوشش کرتا ہے۔ جو ستونِ حیات کو دوام و استحکام عطا کرتی ہیں۔ انسانی ترقیوں کا ایک حصہ اسی روحانی تجلی کا مرہونِ منّت ہے۔ اور یہی میلانِ نظامِ زندگی میں قطعی تاثیر بخشتا ہے۔ اور تمدن بشری کو آگے بڑھانے میں کافی دخیل ہوتا ہے۔

لیکن انسانی سعادت اس بات پر موقوف ہے کہ حُبِّ ذات میں افراط و تفریط سے کام نہ لیا جائے اور خواہشات کے سامنے گھٹنے نہ ٹیکے جائیں۔ اس لئے اگر اس خواہشِ نفسانی کے ذریعہ معقول طریقے سے اخلاقی صفات اور اچھے ملکات کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو کارگاہِ عقل و خرد میں اس کی تعدیل کرے کیونکہ انسان کی رہنمائی کرنیوالی چیز غریزہ نہیں ہے بلکہ عقل کی مضبوط طاقت ہے۔ جو نفسانی خواہشات کے افراط کی صورت میں مضبوط باندھ باندھ دیتی ہے، اور اس کی طغیان و سرکشی کو روک دیتی ہے اور راہِ خطا و صواب کی نشاندہی کر کے ہم کو حقیقتِ حال پر مطلع کر دیتی ہے۔ عقل کی طاقت اس نقطۂ انحراف کی اصلاح کر کے ہماری روحانیت کو تقویت بخشتی ہے۔

جس وقت مسئلہ حبِ ذات دائرہ اعتدال سے خارج ہو کر افراط کی طرف مائل ہوتا ہے عقل و خرد مشکلات میں پڑ جاتی ہے اور زندگی کی حقیقت کے ادراک اور رشد و ترقی سے عاجز ہو جاتی ہے۔ جو لوگ اس بیماری میں مبتلا ہیں اور غیر معتدل خواہشات کی تکمیل میں کوشاں ہیں وہ کسی نہ کسی وقت بدبختی و فساد و تباہی کے غار میں گریں گے۔ خود خواہی سے پیدا ہونیوالی تمام برائیاں اس کے افراط ہی کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اور اس صفت کا مطلب صرف وہیں تک محدود ہے جہاں عقل کی حکومت نہ ہو۔ لوگوں کی ترقی و انحطاط کا معیار ان کی روحانیت اور اخلاقیات سے براہِ راست جڑا ہوا ہوتا ہے اور بد اخلاقی زندگی کے مختلف مراحل میں مختلف صورتوں میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے اور ان میں سے زیادہ تر برائیاں ہمارے غلط رجحان کی پیداوار ہیں۔

یوں تو آدمی کے امکانات بہت ہی وسیع ہیں اور ہر شخص اپنے اصلی خواہشات کی پیروی کے لئے کچھ نہ کچھ معین و مددگار بھی رکھتا ہے لیکن انسان کے لئے سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ مشکل خود خواہی و خود پسندی کی تعدیل ہے۔ اس لئے ہماری سب سے زیادہ کوشش اسی نفسیاتی صفت کی تعدیل میں صرف ہونی چاہئے اس لئے کہ جب غرور و خود پسندی بے حد و حساب ہو جاتی ہے تو پھر اخلاقی ترقی ناممکن ہو جاتی ہے اور اس کے اصلاح کے بغیر زندگی کا اعتدال ناممکن ہوتا ہے۔

• • •

(۲)

جَدل سے کیا فائدہ؟

ہماری اخلاقی و اجتماعی زندگی کی کامیابی کچھ ایسے اصول سے وابستہ ہے جن کے

پہچاننے کے بعد ان کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے لوگوں سے روابط اپنی ذمہ داریوں کے حدود کو پہچاننا یہ ایسے مسائل ہیں جن پر ہر شخص کی سعادت و بدبختی کا دار مدار ہوتا ہے۔

ہر شخص کے دل کی گہرائی میں دوسروں سے تعلقات بڑھانے کا جذبہ ہوتا ہے ہر شخص محبت و دوستی کو دوست رکھتا ہے لیکن جب تک لوگوں کے باطن میں جذبۂ صلح اور سلامتی روح نہ پیدا ہو جائے۔ دوسروں سے اتحاد غیر ممکن ہے ہر قسم کی اجتماعی فعالیت کا مدار صلح و ہمکاری پر ہوا کرتا ہے۔ معاشرت میں احساس رعایت، دوسروں کے احترام کے حدود کو ملحوظ رکھنا، خلوص و محبت کی برقراری سب سے پہلی شرط ہے۔ اور اگر اس شرط پر عمل کیا جائے تو لوگوں میں دوام و استحکام کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ اور جن لوگوں کے یہاں یہ صفت نہیں ہوتی ان کے روابط دوسروں سے برقرار بھی نہیں ہو پاتے۔ دوستی کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔

ایک اور ناپسندیدہ صفت جو لوگوں کے جذبات کو مجروح کرتی ہے اور دوستی و یگانگت کو ختم کر دیتی ہے وہ "ستیزہ جوئی اور لجاجت" ہے ستیزہ جو قسم کے لوگ اپنے افعال و کردار کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے۔ جن اسباب و عوامل نے ان کے باطنی جذبات پر اپنا اثر چھوڑا ہے۔ اور ان کی روحانیت کو بے نظمی کا شکار بنا دیا ہے۔ وہ اسباب و عوامل ایسے لوگوں کی نظروں میں مجہول ہوتے ہیں لیکن یہ چیز نہیں بھولنی چاہئے کہ افراط آمیز خود پسندی اس مذموم خصلت کے بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے اور غالباً اس خصلت کے ثمرہ کا سرچشمہ یہی خود خواہی و خود پسندی ہے۔

ایسے لوگ اپنی غرور آمیز خواہش کی تکمیل کے لئے ہر انجمن ہر محفل میں ہر موضوع پر نہ صرف یہ کہ گفتگو کرنے سے باز نہیں آتے بلکہ اپنا نظریہ بھی پیش کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ کسی کی رہنمائی یا رفع اشتباہ کی نیت سے نہیں۔ بلکہ اپنی جبلت و فطرت سے مجبور ہو کر ہر ایک پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور ہر شخص کی شخصیت کو مجروح کرنے کیلئے زبردست نقد و تبصرہ کرتے ہیں! اور سب

ہی کو جاہل و نادان و نافہم و یاوہ گوئی سے متصف کر دیتے ہیں اور اس کا مطلب صرف اپنی برتری کا اظہار اور فضیلت کا اظہار کرنا ہوتا ہے اور کبھی تو اپنے کریہہ چہرے کو استفہام یا رفع اشتباہ کے نقاب میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایسے لوگ انصاف پسند نہیں ہوتے، حق کشی اور ہر قسم کی بے عدالتی میں جسور و بیباک ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے اس قسم کے اقدام کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس کی توہین و تحقیر کی گئی ہے وہ بھی انتقامی کارروائی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اور مناسب موقع پر اپنے توہین کا بدلہ لے ہی لیتا ہے اگر کسی قوم میں یہ صفت پیدا ہو گئی تو وہ ملت کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ اتحاد فکر و نظر کو پارہ پارہ کر دیتی ہے اور اتنے نقصانات پہونچاتی ہے جس کا جبران ممکن نہیں ہوتا۔

ایک دانشمند کہتا ہے: عقل وہ چراغ ہے جو اپنے نور افشانی سے انسان کو جہالت و بیخبری کی تاریکی سے نکال کر اس کے سامنے کے مشکلات کو حل کر دیتا ہے۔ ہر شخص کو اس پر فخر ہوتا ہے کہ عقل کے ذریعہ چیزوں کی عقلوں کی علتوں کا ادراک کیا جا سکتا ہے اور ہر چیز کے آپسی روابط کو مشخص کیا جا سکتا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ جب ہم بحث و جدال کے ذریعہ کسی حقیقت کا انکشاف کرنا چاہتے ہیں۔ تو اس مناقشہ و جدال سے حقیقت کا انکشاف تو نہیں ہو پاتا۔ اسکے بجائے اضطراب و پریشانی لاحق ہو جاتی ہے۔ اور فائدہ یہ ہوتا ہے کہ طرفین کی غلطیاں روز روشن کیطرح عیاں ہو جاتی ہے۔ اور طرفین میں سے کوئی بھی دوسرے کو اپنا ہم خیال نہیں پاتا اور نہ اپنے نظریات کا تابع بنا پاتا ہے۔

• • •

(۳)

رہبرانِ دین کے ارشادات

اسلام نے معاشرتی زندگی کے تمام پہلوؤں کی پیشِ نظر رکھ کر بڑی عجیب موشگافی کیساتھ تمام اسباب مہر و محبت کی پیدائش کو مستحکم کیا ہے اور تمام ان چیزوں سے سختی کے ساتھ روکا ہے جو اتحاد بین المسلمین کو پارہ کر دیں اور الفت و محبت کے ستونوں کو مسمار کر دیں۔ دین کے رہبروں نے اپنے ماننے والوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کی ہے اور قلب کو ہر قسم کی آلائش سے پاک کرنیکا حکم دیا ہے۔ رسولخدا کا ارشاد ہے: جوانمردی کی ایک علامت یہ بھی ہے دوسروں کی باتوں کو توجہ سے سنے اور اتنی دیر خود خاموش رہے۔

پیشوایانِ اسلام نے مختلف مقامات پر روحِ "ستیزہ جوئی" کی مذمت کی ہے اور اس سے پیدا ہونے والے نقصانات کو بیان بھی کر دیا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ حق گوئی کے موقع پر بھی مجادلہ ومناقشہ کو روکا ہے۔

(۱) امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: انسان اس وقت ایمان کے کامل درجہ تک نہیں پہونچ سکتا جب تک مناظرہ و مناقشہ سے اجتناب نہ کرے چاہے وہ مناظرہ ومناقشہ حق ہی ہو۔[۱]

(۲) امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: جس طرح تم لوگ خوش بیانی کو دوست رکھتے ہو اور اسکو سیکھتے ہو اسی طرح دوسروں کی بات کو سننے کو بھی دوست رکھو اور اس کو بھی سیکھو۔ کبھی بھی دوسرے کی بات کو نہ کاٹو۔[۲]

۲۔ سفینۃ البحار ج ۲ ص ۵۲۲

... BOOK LIBRARY
...aged by ... Welfare Trust (R)
... M.L. Heights,
... Kaneej Baig Road,
...dler Bazar, Karachi-74400, Pakistan

کوئی بھی آدمی لڑائی جھگڑے سے کامیاب نہیں ہو سکتا اور نہ اس قسم کی کشمکشوں پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے

(۲) جو لوگ قصد تفوق و غلبہ رکھتے ہیں ان کو مخاطب کرتے ہوئے امام علیؑ نقی فرماتے ہیں :

بحث و مجادلہ قدیم دوستی کو ختم کر دیتے ہیں اور مضبوط رشتوں کو توڑ دیتے ہیں۔ سب سے کمتر چیز جو اس مجادلہ میں نمودار ہوتی ہے وہ ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی خواہش ہوتی ہے۔ یعنی مسابقہ ۔ اور مسابقہ اصل جدائی کی بنیاد ہے۔

ڈاکٹر ویل کارنگی کہتا ہے : بحث و مباحثہ میں دس مرتبہ میں طرفین نو مرتبہ اپنی اپنی جگہوں سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور پہلے سے زیادہ اپنے نظریہ پر شدت کیساتھ قائم ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے ہی کو حق پر سمجھتے ہیں ایسی بحثوں میں کوئی بھی غالب نہیں ہوتا کیونکہ اگر ایک مغلوب ہو گیا۔ تو وہ مغلوب ہے ہی لیکن اگر غالب آگیا جب بھی مغلوب ہے یہ کیسے ؟ تو سنئے ! فرض کیجئے آپ اپنے مدمقابل والے پر غالب آگئے اور اس پر ثابت کر دیا کہ وہ جاہل ہے اس کے بعد کیا ہے ؟ فرط شادمانی سے آپ بغلیں بجا رہے ہونگے۔ لیکن یہ بھی تو سوچئے کہ آپکا حریف کس حال میں ہے ؟ آپ نے محسوس کرا دیا کہ وہ حقیر و نادان ہے اس کی خود خواہی و خود پسندی کو آپ نے مجروح کر دیا ہے اور اپنی کامیابی کیلئے اس کے دل میں داغ ڈال دیا ہے کسی کو خاموش کرنے کا راستہ بحث کرنا نہیں ہے ان دونوں باتوں ۔ خاموشی و بحث ۔ میں کوئی رابطہ نہیں ہے۔ لوگوں کے افکار کو متاثر اس طرح نہیں کیا جاتا۔ غلط فہمیوں کو مباحثہ و مشاجرہ سے نہیں حل کیا جا سکتا۔ بلکہ اس کے لئے تدبیر، مہارت، سیاست، صلح جویانہ عادت کا ہونا ضروری ہے۔ اور اس شخص میں اتنی طاقت و قدرت ہونی چاہئے کہ وہ اپنے کو حریف کی جگہ فرض کر سکے۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا : بحث و مجادلہ چھوڑ دو کیونکہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ انسان اس سے کسی مثبت راستہ پر پہونچ سکے ۔ کیونکہ طرفین اپنے عقیدہ پر اصرار کرتے ہیں ۔ اسکے علاوہ

بحث ومجادلہ سے آپس میں کینہ وعداوت پیدا ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر آدیوری کہتا ہے: مناقشہ وجدال کا نتیجہ زیادہ تر اچھا نہیں ہوتا بلکہ کبھی تو خلافِ مقصد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بحث ومجادلہ کے درمیان کبھی جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اور آپس میں چاہے جتنی بھی ہو اس سے دل میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ آپ جتنی بھی کوشش کریں کہ مقابل مغلوب ہو جائے اس میں مزید شدت پیدا ہو جاتی ہے ایسے مواقع پر ایک تیز وتند حملہ رشتۂ محبت کو ہمیشہ کیلئے توڑ دیتا ہے اور ایک بات یہ بھی ہے کہ جدال ومناقشہ سے کبھی بھی دوسرے کو نہ قانع کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اپنے افکار کا تابع بنایا جا سکتا ہے۔

لجوج قسم کا شخص کبھی اپنے اندر احساس آرام وسکون نہیں کر پاتا اپنی روح کو اذیت ہی پہونچاتا ہے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: جدال ولڑائی سے پرہیز کرو۔ کیونکہ مناقشہ فکر کو پریشان کرتا ہے اور آپس میں نفاق ودشمنی پیدا کرتا ہے[1]

بنابریں اسلام کی اعلیٰ تعلیم کے ذریعہ اپنے میں تبدیلی لائی جا سکتی ہے اور روح کو تقویت پہونچائی جا سکتی ہے اور انسانیت کے اعلیٰ اصولوں کی پیروی کی جا سکتی ہے۔

:- تمت بالخیر -:

● ● ●

---

[1] اصول کافی ص ۵۲۴

BOOK LIBRARY ... Karachi. MASOOMEEN WELFARE TRUST (R)

نوٹ : اس کتاب کا ترجمہ : انگریزی، فرانسیسی، عربی،
بنگالی اور اردو زبانوں میں ہو چکا ہے۔

SAYYED MUJTABA MUSAVI LARI
FOUNDATION OF ISLAMIC CULTURAL
PROPAGATON IN THE WORLD
21 ENTEZAM ST. QOM. I.R. IRAN.